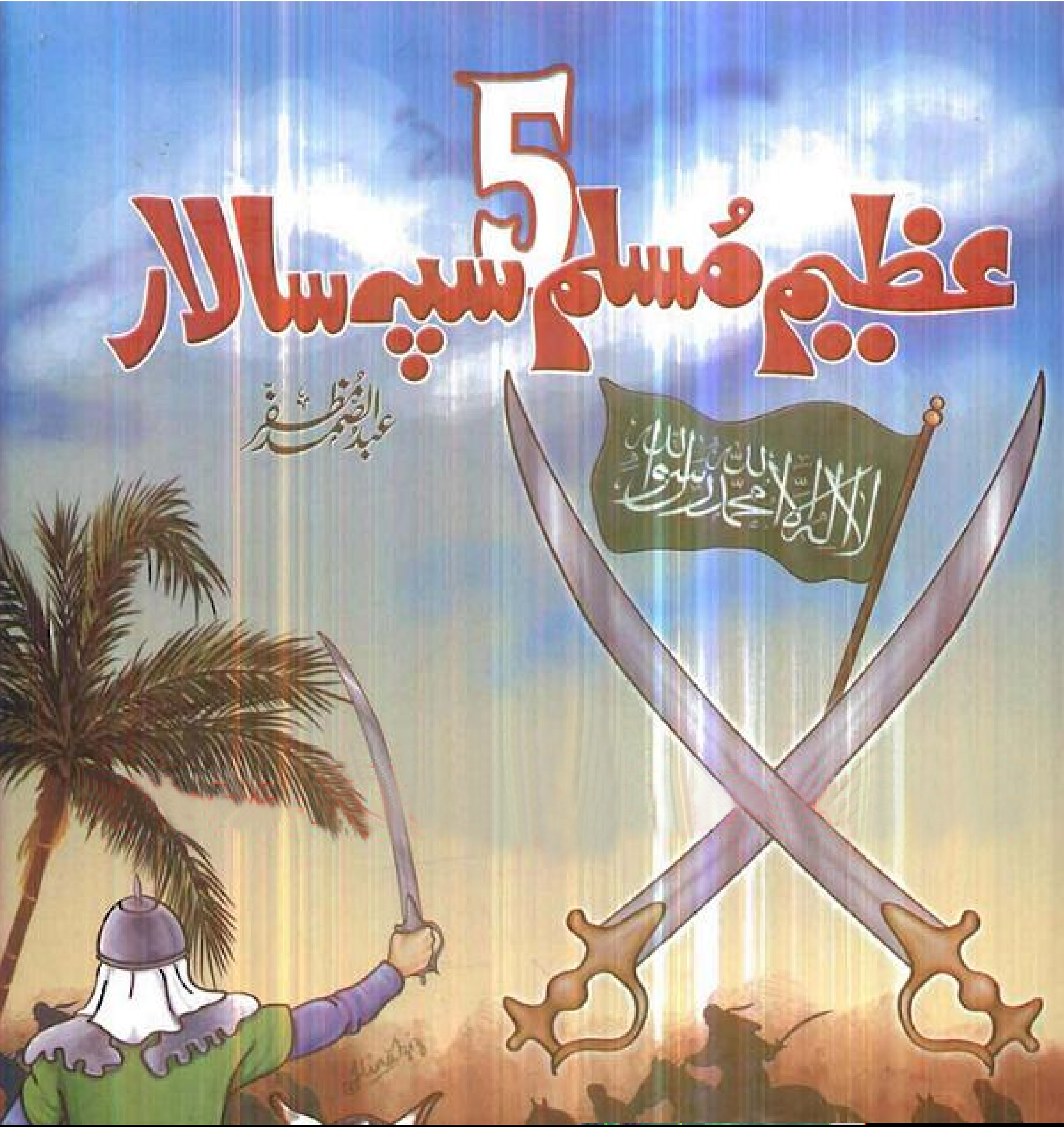
5 عظیم مسلم سپہ سالار
عبدالصمد مظفر
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

5
عظیم مُسلم سپہ سالار

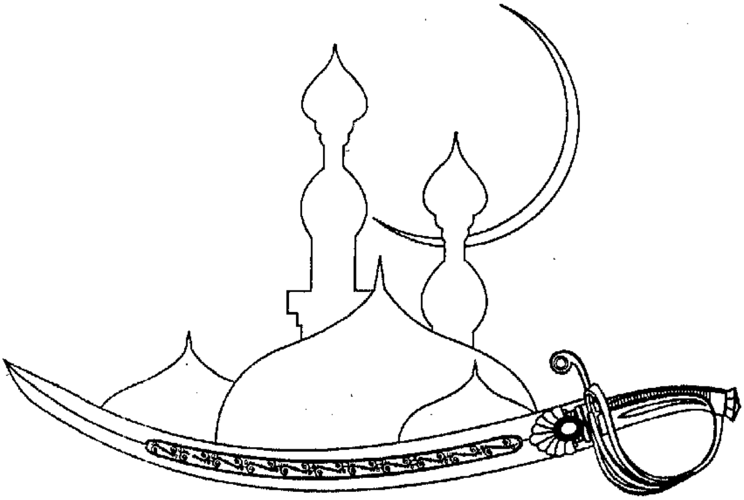

عبدالصمد مظفر

رابعہ بُک ہاؤس
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور، پاکستان

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکینگ یا کسی اور طریقہ سے کسی بھی قسم کی اشاعت رابعہ بک ہاؤس کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔

قانونی مشیر: عبدالواحد چوہدری (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

A Trustworthy Name for Quality Books

Rabia Research Centre

6-C Tape Road, Lahore-Pakistan. Ph: +92 42 3722 0073
Email: info@rabiabooks.com www.rabiabooks.com

Show Room - Al-Karim Market, Urdu Bazar,
Lahore-Pakistan. Ph: +92 42 37123 555

ہماری مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لئے
www.rabiabooks.com سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔
مطبوعات میں بہتری کے لئے یا شکایات کی صورت میں
info@rabiabooks.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر ــــــــ نوید اے شیخ
ادارہ ــــــــ رابعہؒ بک ہاؤس، لاہور
تعداد ــــــــ ایک ہزار
سرورق ــــ آر.بی. ایچ آرٹ سیکشن، لاہور
طابع ــــــــ ندیم یونس پرنٹرز، لاہور

آفس: رابعہ ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ سنٹر C-6، ٹیپ روڈ، لاہور۔
شو روم: الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان۔
تقسیم کنندہ:
لاہور: 1- کچہری روڈ، انارکلی۔ فون: +92-42-37355528
کراچی: اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان۔ فون: +92-21-32212991
راولپنڈی: اقبال روڈ، نزد کمیٹی چوک۔ فون: +92-51-5539609
حیدرآباد: 5- یوسف چیمبرز، اسٹیشن روڈ۔ فون: +92-22-3780128
بہاولپور: شہزاد چوک۔ فون: +92-62-288502

فہرست

خالدؓ بن ولید	7
محمد بن قاسم	44
طارق بن زید	87
یوسف بن تاشفین	106
امیر تیمور	138

دیباچہ

جب کوئی لشکر اپنے جری اور بہادر سپہ سالار کی قیادت میں فتح سے ہمکنار ہو کر لوٹتا ہے تو اس کا حوصلہ اور عزم اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ یوں تو میدانِ جنگ میں بظاہر سپاہی لڑتے ہیں لیکن ان کو کامیاب حکمتِ عملی کے ساتھ دشمنوں سے لڑانا بہادر سپہ سالار کی دلیری کا ثبوت ہوتا ہے۔ لشکر کی عظمت اور حوصلے کا امین ایک بہادر سپہ سالار ہی ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں فوج کو دشمن پر غلبہ پا کر فتح سے ہمکنار ہوتی ہے۔

عسکری دنیا میں مسلم سپہ سالاروں کے نام ہمیشہ درخشاں ستارے کی طرح روشن رہے ہیں۔ جن کی بہادری اور ثابت قدمی نہ صرف اسلامی لشکر بلکہ دیگر اقوام عالم کے لیے بھی بے مثال نمونہ ہے۔ اسلامی لشکر کے یہ جانباز سپہ سالار میدانِ جنگ میں دشمن کے لیے موت اور اپنوں کے لیے امن و راحت کے پیامبر ہوتے ہیں۔ اسلام کے ان عظیم سپہ سالاروں نے اپنی منزل کا تعین کرتے ہوئے جب بھی قدم بڑھائے تو رفعت و عظمت کے پھول ان کے استقبال کے لیے بکھرتے چلے گئے اور یہ مردِ مومن ثابت قدمی' استقامت اور جواں مردی کے ساتھ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کی صفوں میں گھس کر لڑتے ہوئے نہ صرف یہ کہ جرأت اور شجاعت کی بے مثال تاریخ رقم کر گئے بلکہ آنے والے وقت کے لیے عالمِ اسلام کے سپوتوں کو دین کی سربلندی کے لیے لڑنے کا سبق بھی سکھا گئے۔

دورِ جدید میں نئی نسل کی تاریخِ اسلام میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کے تاریخی واقعات پر مبنی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے بوریت محسوس کرتے ہیں حالانکہ ہر دور میں نئی نسل کے لیے بہادری کی ان داستانوں کا پڑھنا نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ ان عظیم لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور آنے والے دنوں کے لیے تاریخ میں اپنا اور اپنے ملک کا نام رقم کرسکیں۔

''پانچ عظیم مسلم سپہ سالار'' لکھتے ہوئے تاریخ کی مستند کتب کی معاونت لیتے ہوئے ان کا نچوڑ حاصل کیا گیا ہے۔ جس کی بدولت عظیم مسلم سپہ سالاروں کی فتوحات اور حسنِ اخلاق کو ہر عمر کے بچوں کے لیے عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے تاکہ نئی نسل میں دلچسپی، رغبت اور شوق کے ساتھ بہادری کا جذبہ بھی بیدار ہو۔ ان سپہ سالاروں نے اپنی کامیاب حکمتِ عملی، دانش مندی اور بہادری سے دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا کر دینِ اسلام کا جھنڈا بلند کیا یہی وجہ ہے کہ مخالفین آج بھی ان کے نام سے خوف کھاتے ہیں۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ بچوں کا اَدب نے قومی مقابلے میں پانچ عظیم مسلم سپہ سالار کو ایوارڈ سے بھی نوازا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ''پانچ عظیم مسلم سپہ سالار'' پڑھ کر نئی نسل اور ہر عمر کے بچے کامیابی، بہادری اور لگن کے جذبے سے آشنا ہوئے ہیں۔ جس سے ہر دور میں اسلام کے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو پہچان کر اس کو نیست و نابود کیا جاسکتا ہے۔

ادارہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید

(سیف اللہ)

مکّہ کے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولنے والا بچہ جو اپنی دولت، سخاوت اور فہم و فراست کے حوالے سے جانا پہچانا جاتا تھا۔اس بچے کے والد ولید کا شمار مکہ کے ممتاز افراد میں ہوتا تھا۔ وہ مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے بے شمار باغات کے مالک تھے۔اہل مکہ انہیں ''العدل'' اور ''الوحید'' کے القابات سے پکارتے تھے۔وہ عرب کا پہلا شخص تھا جس نے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی تجویز پیش کی جو بعدازاں اسلامی نظام میں بھی شامل ہوئی۔فوجی مہارت میں بھی ولید کا جواب نہ تھا۔یوں اس بچے کو دولت اور مذکورہ خوبیوں کا سرمایہ ورثے میں ملا۔بچے نے بڑے شاہانہ انداز میں پرورش پائی۔اس کے باوجود اسے مردانہ کھیلوں اور فنون حرب وضرب سیکھنے کا جنون تھا۔

اس نے گھڑسواری، شمشیرزنی اور تیراندازی بچپن میں ہی سیکھ لی تھی۔کشتی اور نیزہ بازی میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔لوگ اسے ''میدان کا جادوگر'' کہتے تھے۔ان خداداد

صلاحیتوں کے مالک کا نام خالدؓ بن ولید تھا۔ میدان کھیل کا ہو یا جنگ کا آپؓ اپنی ذہانت اور مہارت سے پانسا اپنے حق میں پلٹنے کے ماہر تھے۔

حضرت خالدؓ نے کُشتی میں مکہ کے بڑے نامور پہلوانوں کو پچھاڑا۔ ایک بار مکّہ میں کشتی کے مقابلے ہو رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جن کا شمار شہر کے نامور کشتی لڑنے والوں میں ہوتا تھا' آپؓ کے مقابل تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ مقابلہ کافی دیر جاری تھا اور فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک حضرت خالدؓ کا داؤ چل گیا۔ انہوں نے اپنے ماموں زاد' حضرت عمر فارقؓ کو اٹھا کر پٹخا جس سے حضرت عمر فاروقؓ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور میدان حضرت خالدؓ کے ہاتھ رہا۔

قبولِ اسلام سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید اسلام کے سخت مخالف تھے۔ آپؓ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے خلاف پیش پیش رہتے تھے۔ جنگ احد میں فتح یاب مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچانے والے خالدؓ بن ولید ہی تھے۔ ذہانت' حاضر دماغی' حالات کا تجزیہ کرنے اور جنگی حکمت عملی میں آپؓ کو کمال حاصل تھا۔ اسی ذہانت' معاملہ فہمی اور جنگی سوجھ بوجھ نے حضرت خالدؓ کو کچھ عرصے سے عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا۔

یہ 628ء کا موسم بہار تھا۔ پودوں پر کلیاں پھول بن کر کھل رہی تھیں۔ بازاروں میں رونق بڑھ رہی تھی۔ حج کا زمانہ قریب آ رہا تھا' اسی لیے عارضی دکانوں اور ٹھیلوں نے شہر میں چہل پہل بڑھا دی تھی۔ لیکن عجیب بات تھی کہ اس بار بنی مخزوم کا شہزادہ خالدؓ کچھ اداس اور کھویا

کھویا تھا۔ وہ شہر میں منعقد ہونے والے جسمانی اور جنگی کھیل تماشوں کے مقابلوں سے بالکل لاتعلق تھا جن میں وہ ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ اس کی سوچ کا محور اسلام کی ہر روز بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید سوچ رہے تھے کہ اب تک اسلام کے مخالفین نے مسلمانوں کو میدان جنگ میں اٹھائیس بار للکارا ہے لیکن اپنی تمام تر عددی برتری اور بہتر جنگی ساز وسامان کے باوجود ذلت اٹھائی۔ کبھی آپؓ کے ذہن میں جنگ بدر کا نقشہ پھرنے لگتا۔ جب معمولی ہتھیاروں سے لیس تین سو تیرہ مسلمانوں نے ابوجہل کے لشکر کو شکستِ فاش سے ہمکنار کیا تھا۔ کبھی جنگ احد میں مسلمانوں کی ثابت قدمی اور جاں نثاری آپؓ کی آنکھوں میں پھرنے لگتی تو کبھی حضرت خالدؓ چشم تصور سے مکہ کے ناقابل شکست پہلوان ازکار کو رسول ﷺ اللہ کے ہاتھوں خاک چاٹتے ہوئے دیکھتے۔ آپؓ کا ذہن اور تجربہ بے سروسامان مسلمانوں کی ان عظیم فتوحات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کبھی کبھی آپؓ سوچتے کہ کیا مسلمانوں کے ساتھ کوئی غیبی طاقت ہے؟ کیا محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ اسی کشمکش میں کئی ماہ گزر گئے۔

صلح حدیبیہ کو ایک برس بیت چکا تھا۔ معاہدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید الجھے ذہن کے ساتھ مکّہ سے نکل گئے تا کہ وہ شہر میں مسلمانوں کے داخلے کا منظر نہ دیکھ سکیں۔ مکہ میں تین روز قیام کے دوران نبی کریم ﷺ نے خالدؓ بن ولید کے بھائی ولید سے فرمایا: ”افسوس خالد میرے پاس نہیں آیا۔ اگر وہ آتا تو ہم اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے۔ خالد جیسے شخص کو اسلام

سے دور نہیں رہنا چاہیے" ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کے قبول اسلام کے لیے دعا فرمائی تھی۔

حضرت ولیدؓ نے اپنے بھائی کو بہت ڈھونڈا لیکن اُن کا کچھ پتا نہ چلا۔ آخر ولیدؓ نے اپنے بھائی کے نام ایک خط لکھ کر ایک شناسا کے حوالے کیا اور درخواست کی کہ جب خالدؓ آئیں تو یہ خط اُن کو پہنچا دیا جائے۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ کے دل کی کیا حالت تھی اور بھائی کے خط نے کیا کمال دکھایا؟ اس حوالے سے خود حضرت خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں:

"میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ مجھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہر جنگ اور ہر محاذ پر ناکامی کیوں ہوتی ہے؟ پھر آہستہ آہستہ میرے دل میں یہ خیال تقویت پکڑتا چلا گیا کہ کوئی غیبی طاقت میرے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جگہ بنا رہی ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عمرہ کے لیے مکّے میں تشریف لائے تو میں وہاں سے نکل چکا تھا۔ جس پر میرے بھائی نے مجھے خط لکھا جس میں تحریر تھا، مجھے تعجب ہے کہ تم اسلام سے اس قدر نفرت کرتے ہو، حالانکہ تمہارے جیسا عقلمند آدمی کبھی اسلام سے دُور نہیں رہ سکتا۔ میرے بھائی! گمراہی کے اندھیرے سے نکل کر حق کی روشنی میں چلے آؤ۔"

"بھائی کا خط پڑھ کے میرے دل کی حالت بدل گئی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کو بے تاب ہو گیا۔"

حضرت خالدؓ بن ولید کے دل کو کسی پل چین نہیں تھا۔ آپؓ نے مکہ کے کئی با اثر افراد کو

حالِ دل سُنایا لیکن کسی نے قبول اسلام کے حوالے سے آپؓ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ پھر آپؓ نے دل کا حال حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو سنایا' وہ قبول اسلام کے لیے آپؓ کا ساتھ دینے پر راضی ہو گئے۔ یوں حضرت خالدؓ اور حضرت عثمانؓ حضور کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں ''ہدہ'' کے مقام پر ان حضرات کی ملاقات حضرت عمروؓ بن العاص سے ہوئی جو حبشہ سے آ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید سے پوچھا ''ابو سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟'' حضرت خالدؓ نے بتایا کہ وہ قبول اسلام کے ارادے سے مدینہ جا رہے ہیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے بتایا کہ وہ بھی یہی ارادہ رکھتے ہیں۔

31 مئی 628ء کا دن اسلامی تاریخ میں بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ اس دن اسلام کے دو عظیم جرنیل خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص' عثمانؓ بن طلحہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ سب سے آگے حضرت خالدؓ بن ولید ان کے پیچھے عمروؓ بن العاص اور ان کے بعد عثمانؓ بن طلحہ تھے۔

حضور کریم ﷺ نے انہیں دور سے آتے دیکھا تو تبسم فرمایا اور اُس وقت تک مسکراتے رہے جب تک یہ تینوں حضرات آپ ﷺ کے پاس نہیں پہنچ گئے۔ انہوں نے آ کر خدمت اقدس میں سلام عرض کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا دائرہ عرب کے دور دراز علاقوں اور دیگر ممالک تک بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے کئی صحابہ کرامؓ کو اسلام کے دعوت نامے دے کر غیر مسلم عرب رئیسوں اور پڑوسی بادشاہوں کی طرف روانہ

فرمایا۔ اسی سلسلے میں ایک خط حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ بصرہ کے عیسائی حاکم حارث بن شمر غسانی کو بھی بھجوایا گیا۔ جب حارثؓ بن عمیر بلقا کے علاقہ موتہ پہنچے تو یہاں کے عیسائی حاکم شرجیل بن عمر نے آپؓ کو گرفتار کر لیا اور سفارتی آداب و اخلاقیات کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے حضرت حارثؓ کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔

جب حضرت حارثؓ بن عمیر کی شہادت کی خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ بے حد دُکھی ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارث کو تین ہزار مجاہدین کے ساتھ حضرت حارثؓ کے خون کا حساب لینے کے لیے موتہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ 8 ہجری کا واقعہ ہے۔

لشکر روانہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اگر دشمن سے لڑتے ہوئے زیدؓ شہید ہو جائیں تو لشکر اسلام حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی زیر قیادت لڑے۔ اگر حضرت جعفرؓ بھی راہ اللہ میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیں تو اسلامی فوج کی قیادت حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سنبھال لیں۔ اگر وہ بھی خالق حقیقی سے جا ملیں تو مسلمان جسے چاہیں سالارِ لشکر چُن لیں۔

شرجیل بن عمر غسانی کو جب اسلامی فوج روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو اُس نے زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ ساتھ ہی روم کے بادشاہ سے مدد طلب کی جو اتفاق سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اسی علاقے میں موجود تھا۔ شہنشاہ روم نے ایک لاکھ فوجی شرجیل کی مدد کو بھیج دیئے۔

اسلامی لشکر جب موتہ کے قریب پہنچا تو اسے دشمن کی اتنی بڑی تعداد اور وسیع پیمانے پر

جنگی تیاریوں کے پتہ چلا۔ صورت حال کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے بعض اصحابؓ نے مشورہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو حالات سے آگاہ کر کے مدینہ امداد کی درخواست کی جائے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا: "اے لوگو! ہمیں دشمن کی تعداد کی کیا پروا؟ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور شہادت کا درجہ پائیں۔ ہمارا بھروسہ تو صرف اللہ پر ہے۔ اٹھو! اللہ کا نام لو اور دو کامیابیوں "فتح یا شہادت" میں سے ایک حاصل کرلو۔"

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی تقریر سُن کر مجاہدین دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ آسمان حیران تھا اور دنیا کی عسکری تاریخ پریشان تھی ایک طرف تین ہزار مسلمان تھے اور دوسری طرف بہترین جنگی ساز وسامان سے لیس سوا لاکھ سے اوپر رومی اور عرب عیسائی فوجیوں کا جم غفیر تھا۔

مجاہدین کافروں کے لشکر پر اس شدت و بہادری سے جھپٹے کہ دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ سالار لشکر حضرت زیدؓ بن حارث دشمنوں کو ختم کرتے ہوئے ان کی صفوں میں دور تک چلے گئے۔ آخر بے شمار کافر سپاہیوں نے انہیں گھیر لیا لیکن اللہ کے اس سپاہی نے جام شہادت نوش کرنے سے پہلے دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

اسلامی فوج کی قیادت حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے سنبھال لی۔ آپؓ نے ایک ہی حملے میں سینکڑوں دشمنوں کو ہلاک کر دیا مگر مشکل یہ تھی کہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُن کا ایک سپاہی مرتا تھا تو اس کی جگہ دس تازہ دم سپاہی مقابلے پر آجاتے تھے۔

حضرت جعفرؓ جرأت و بہادری کی نئی تاریخ رقم کر رہے تھے۔ ایک دشمن نے اچانک حملہ

کر کے آپؓ کا دایاں بازو شہید کر دیا۔ آپؓ نے تلوار بائیں ہاتھ میں سنبھال لی اور اسی جوش و جذبے کے ساتھ لڑتے رہے۔ حضرت جعفرؓ کو ایک بازو سے لڑتے دیکھ کر دشمنوں کی ہمت بڑھی انہوں نے آپؓ کو گھیرے میں لے کر آپؓ کا دوسرا بازو بھی شہید کر دیا۔ پھر اس مردِ مجاہد پر بیک وقت کئی وار ہوئے اور آپؓ کی آرزوئے شہادت بھی پوری ہوگئی۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے اسلامی لشکر کی کمان سنبھال لی۔ آپؓ نے قیادت سنبھالتے ہی دشمن پر ایسے ہی غضب ناک وار کیے کہ جو سامنے آیا جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دشمن آپؓ کا غیض و غضب دیکھ کر دور سے تیر و نیزہ اور برچھیوں سے وار کرنے لگا۔ اسی دوران ایک کافر کی پھینکی ہوئی برچھی آپؓ کے سینہ میں لگی اور یوں اسلامی لشکر کا تیسرا سپہ سالار بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہوا۔

اب اللہ کے سپاہیوں نے بنی مخزوم کے نامی گرامی بہادر اور فنونِ حرب وضرب کے ماہر حضرت خالدؓ بن ولید کو امیرِ لشکر چن لیا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منتخب کردہ تین سپہ سالاروں کی شہادت نے آپؓ کو اس قدر مشتعل کر دیا تھا کہ آپؓ دشمن کی تعداد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر قسم کی احتیاط بالائے طاق رکھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن جائے پناہ ڈھونڈنے لگا، جو سامنے آیا' جان سے گیا۔ آپؓ کے غیض و غضب، زورِ بازو اور حملے کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؓ نے اس روز لڑتے لڑتے دشمن پر نو تلواریں توڑ دیں۔ دسویں تلوار نے اس روز لڑائی کے اختتام تک آپؓ کا ساتھ نبھایا۔

اگلے روز حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک حیرت انگیز جنگی چال چلی۔ ایک روز قبل جو

مجاہدین اگلی صفوں میں لڑ رہے تھے۔ انہیں پیچھے لے گئے۔ دونوں بازوؤں پر لڑنے والے سپاہیوں کو بھی باہم بدل دیا۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ سامنے کے تازہ دم مجاہدین نے دشمن پر بڑا ہی زوردار حملہ کیا۔ دوسرا نئے چہرے اور اُن کا جوش و ولولہ دیکھ کر دشمن سمجھا کہ مسلمانوں کو تازہ دم فوجی دستوں کی کمک پہنچ گئی ہے۔ یہ سوچ کر رومیوں اور عیسائیوں کے چھکے چھُوٹ گئے۔ اسی دوران دائیں پہلو کے سالار قطبہؓ بن قتادہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے دشمن کے قلب میں جا گھسے اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن فوج کے سپہ سالار کو مار گرایا جس سے دشمن کا رہا سہا حوصلہ بھی جاتا رہا اور وہ گھبرا کر پسپا ہو گئے۔

اِدھر موتہ کے مقام پر تاریخ عالم کی حیرت انگیز جنگ جاری تھی، اُدھر مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چند اصحابؓ کے ساتھ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ اللہ نے میدان جنگ کا نقشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں کے سامنے کر دیا تھا جسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میدان جنگ کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرما رہے تھے۔

''اب جھنڈا زیدؓ نے سنبھال لیا، وہ شہید ہوئے۔ اب جھنڈا جعفرؓ نے اٹھایا، وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب جھنڈا عبداللہؓ بن رواحہ نے تھاما اور انہوں نے بھی جان راہِ اللہ میں قربان کر دی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک لمحہ کو رُکے اور پھر فرمایا'

''اب جھنڈا اُٹھایا، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے' اور اس کو فتح حاصل ہوئی۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ہاتھ دُعا کے لیے اٹھا دیئے اور اللہ کے حضور یوں دُعا گو ہوئے۔

''اے اللہ! خالد تیری تلوار ہے، اسے ہمیشہ فاتح رکھنا!''

یہی وہ معرکہ حق و باطل تھا جس میں حضرت خالدؓ نے اپنی بے مثال شجاعت، حیران کن جنگی حکمت عملی اور قیامت خیز تلوار بازی کے باعث رسول اللہ ﷺ سے ''سیف اللہ'' کا لقب پایا۔

مکہ کے گرد و نواح میں بہت سے بت کدے تھے جن میں سب سے بڑا بت عزیٰ کا تھا۔ عزیٰ کو مشرکین طاقت اور خوشحالی کی دیوی جانتے تھے۔ مشرکین پتھر کی اس لاچار دیوی کے حضور طاقت کے حصول اور مالی آسودگی حاصل کرنے کے لیے چڑھاوے چڑھاتے اور گڑگڑاتے تھے۔ عزیٰ کا بت وادی نخلہ کے ایک معبد میں رکھا تھا جو مکہ سے دس میل دور بستان عامر کے باغ میں واقع تھا۔ اس معبد کا انتظام بنوشیبان کے سپرد تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے عزیٰ کا بت توڑنے کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو مقرر فرمایا۔ یوں آپؓ تیس فوجیوں کے ساتھ وادی نخلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید 25 رمضان المبارک کو اس معبد میں داخل ہوئے اور سامنے چبوترے پر رکھا عزیٰ کا بت ایک ہی وار میں زمین بوس کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خبر دی کہ عزیٰ کو خاک میں ملا آیا ہوں۔ رسول ﷺ نے فرمایا۔

''نہیں خالد! تم عزیٰ تک نہیں پہنچ سکے۔ واپس جاؤ اور اصلی بت کو توڑو۔''

دراصل مشرکین نے طاقت کی دیوی کی حفاظت کے لیے دو بت بنا رکھے تھے۔ ایک اصلی اور دوسرا نقلی۔ حضرت خالدؓ رسول اللہ ﷺ کا حکم پا کر فوراً واپس پلٹ آئے۔ آپ کو

واپس آتے دیکھ کر معبد کا پروہت' داسیوں سمیت بھاگ گیا۔ جاتے جاتے وہ عزیٰ کے گلے میں تلوار لٹکا گیا کہ طاقت کی دیوی خود ہی خالدؓ بن ولید سے نمٹ لے گی۔ حضرت خالدؓ عزیٰ کے اصلی بت کو توڑنے کے لیے آگے بڑھے تو ایک لڑکی نے بازو پھیلا کر آپؓ کا راستہ روک لیا۔ آپؓ نے پہلے وار میں اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا اور دوسرے وار سے خوشحالی اور طاقت کی دیوی پاش پاش کر دی۔

فتح مکہ سے پندرہ روز بعد حضور اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو ثقیف کا حکمران آس پاس کے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہے، آپ ﷺ بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے 27/جنوری 630ء کو مکہ سے روانہ ہوئے اور 31/جنوری کو حنین کے قریب ایک گہری وادی میں اتر گئے۔

مالک بن عوف نے مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر انتہائی چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنی فوج کو وادی کے پیچ و خم میں یوں چھپا دیا تھا کہ مسلمانوں کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ یکم فروری 630ء کو اسلامی فوج کا ہراول دستہ جس کی قیادت حضرت خالدؓ کر رہے تھے' گھات میں چھپے دشمن سے بے خبر وادی حنین کے تنگ درے میں داخل ہوا۔ تاک میں بیٹھے دشمن نے اس پر تیروں کی بارش کر دی۔ مسلمانوں کے لیے یہ حملہ قطعی غیر متوقع تھا' دوسری طرف مجاہدین کا دستہ جس راستے میں داخل ہو چکا تھا' وہ بے حد تنگ تھا' مجاہدین پر کئی اطراف سے بے تحاشہ تیر برس رہے تھے' مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا' نتیجتاً ہراوّل دستے میں بھگدڑ مچ گئی، گھوڑے بے قابو ہو کر الٹ پڑے، حضرت خالدؓ اپنے سپاہیوں کو پکار رہے تھے لیکن ایسا

شور اور افراتفری مچی تھی کہ کوئی آپؓ کی آواز نہیں سُن رہا تھا۔ ساتھ ہی آپؓ چند ساتھیوں کی مدد سے حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ آپؓ کی توجہ بٹی ہوئی تھی۔ دشمن نشانہ تاک کر آپؓ پر تیر برسا رہا تھا' کئی تیر آپؓ کے جسم میں اُتر چکے تھے لیکن آپؓ ڈٹے ہوئے تھے' آخر زیادہ خون بہہ جانے کے باعث آپؓ بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر گئے۔

اس دوران ہراول دستے کے پیچھے آتا اسلامی لشکر بھی اس تنگ راستے میں داخل ہو کر گھات لگائے دشمن کے تیروں کی زد میں آچکا تھا۔ اسلامی لشکر ابھی ناگہانی برستے تیروں سے نہ سنبھلا تھا کہ شکست کھا کر پسپا ہوتا ہراول دستہ اس سے ٹکرایا۔ اسلامی لشکر میں شدید افراتفری پھیل گئی اور سپاہی ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

اس وقت اگر کوئی میدان جنگ میں ثابت قدم تھا تو وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے چند جان نثار اصحابؓ جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علی اور حضرت عباسؓ شامل تھے۔

اس وقت چند مسلمان سپاہی بھاگ رہے تھے اور دشمن ان کا تعاقب کرر ہا تھا۔ اس نازک موقع پر حضرت علیؓ نے کمال جرأت سے کام لیتے ہوئے حملہ آور دستے کے سالار کو مار گرایا۔ کئی دوسرے صحابہؓ بھی پلٹ کر اس دستے پر ٹوٹ پڑے۔ زبردست جھڑپ کے بعد بنو ثقیف کا یہ دستہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اب جنگ کا پانسا پلٹنے لگا تھا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی نگاہ درے میں پڑے زخموں سے چور بے ہوش خالدؓ بن ولید پر پڑی، آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے جسم پر سر سے پاؤں تک پھونک ماری جس پر حضرت خالدؓ

نے آنکھیں کھول دیں۔آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا ''خالد اٹھو! مسلمانوں کو تمہاری ضرورت ہے۔'' خالدؓ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔آپ ﷺ کے حکم پر خالدؓ بن ولید کے جسم سے تیر نکال کر پٹی باندھ دی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نے حضرت خالدؓ بن ولید کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔آپؓ اٹھ کھڑے ہوئے' تلوار سنبھالی اور گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے' جسم پر بے شمار زخم تھے لیکن اس مردِ میدان کا جذبہ آسمان کو چھو رہا تھا اور ان کا گھوڑا اسب سے آگے دشمن کی صفوں میں بجلی کی مانند دوڑ رہا تھا۔دشمن خالدؓ بن ولید کے وار سے بچنے کے لیے چھپتے پھرتے تھے لیکن انہیں کہیں امان نہ ملتی تھی۔آپؓ کا لباس خون سے سرخ ہو رہا تھا لیکن آپؓ اس مہم میں دلیری و جواں مردی کی تاریخ اپنی تلوار سے یوں تحریر کر رہے تھے کہ دشمن حواس کھو رہا تھا۔حریف قبائل کے کئی نامور سردار حضرت خالدؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔دشمن پر حضرت خالدؓ کی اتنی دہشت بیٹھی کہ کچھ ہی دیر بعد دشمن آگے آگے بھاگ رہا تھا اور حضرت خالدؓ کا دستہ ان کے تعاقب میں تھا۔

یہ نومبر 630ء کی بات ہے۔تیس ہزار فوجیوں پر مشتمل اسلامی لشکر سرورِ دو عالم ﷺ کی قیادت میں مشہور شہنشاہ ہرقل کی سرکوبی کے لیے شام کے سرحدی مقام تبوک میں خیمہ زن تھا۔

رومی بادشاہ ہرقل جو چالیس ہزار افواج کے ساتھ اسلامی سلطنت پر فیصلہ کن حملہ کے لیے سوچ رہا تھا۔تبوک میں اسلامی لشکر کی خبر پا کر پریشان ہو گیا جب اسے یہ اطلاع ملی کہ

اسلامی لشکر کی قیادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں تو مارے خوف کے اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ یوں رومی لشکر بغیر لڑے ہی اندرون ملک میں بکھر گیا۔

رومی لشکر کے فرار سے گرد و نواح کے غیر مسلم سرداروں اور قبائل پر اسلامی لشکر کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اطاعت و فرماں برداری کا یقین دلانے لگے۔

دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر بن عبد المالک بہت مغرور اور بد دماغ تھا۔ اس نے نا صرف بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری نہیں دی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنی کا پیغام بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گستاخ کی سرکوبی کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو منتخب کیا۔ ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ اکیدر کو زندہ پکڑ کر لانا ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل میں چار سو سواروں کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔ صحرائی راستہ بے حد دشوار گزار تھا۔ لوگ اس صحرا کو عبور کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔ گرمی بلا کی تھی، پیاس سے جان نکلی جا رہی تھی۔

آپؓ جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار اپنے سواروں کی ہمت بندھاتے اس صحرا کا سینہ چیرتے بڑھے چلے جاتے تھے۔ آخر آپؓ کے عزم نے صحرا کو شکست دی اور آپؓ دومتہ الجندل کے نواح میں پہنچ گئے۔ یہاں سے شہر کی فصیل صاف نظر آ رہی تھی۔ آپؓ نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا حکم دیا اور خود ذہن میں اکیدر کو زندہ پکڑنے کے منصوبے سوچتے ہوئے چند سواروں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ عین اسی وقت اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ شہر کا دروازہ کھلا اور شکار

کا شوقین اکیدر چند سواروں کے ساتھ نمودار ہوا۔حضرت خالدؓ بن ولید سمجھ گئے کہ ابھی اکیدر مجاہدین کی آمد سے بے خبر ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق شکار کے لیے نکلا ہے۔آپؓ نے انہیں آگے بڑھنے دیا' جیسے ہی یہ لوگ شکار میں مشغول ہوئے حضرت خالدؓ بن ولید نے اس بد دماغ شکاری کو گھیر لیا۔ابھی اکیدر صورت حال کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ آپؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی' گھوڑا طوفان کی طرح اکیدر کے گھوڑے کی طرف بڑھا اور حضرت خالدؓ نے پلک جھپکتے میں اکیدر کو اس کے گھوڑے سے اُچک لیا۔شکاری خود شکار ہو گیا تھا۔اکیدر کو باندھ کر اسی کے گھوڑے پر ڈال دیا گیا۔پھر واپس کا سفر شروع ہوا اور آخر کار حضرت خالدؓ بن ولید نے حسب ہدایت رسول اللہ ﷺ اکیدر کو خدمت اقدس مین حاضر کر دیا گیا۔

اکیدر نے اپنے رویے پر معافی مانگی۔آپ ﷺ نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ خود مدینہ میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے گا۔رسول اللہ ﷺ نے یہاں چند روز مزید قیام فرمایا اور دسمبر 630ء میں واپس مدینہ تشریف لائے۔

جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔یہ وہ وقت تھا جب مسلمان اپنے پیارے نبیؐ کے غم میں نڈھال تھے۔ ان کے حواس اور حوصلے بکھر گئے تھے۔ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ایک حشر کا سماں اور افراتفری کا عالم تھا۔ان نازک حالات نے مدینہ کی نوخیز اسلامی سلطنت کو سنگین نوعیت کے مسائل سے دو چار کر دیا تھا۔یہ مصائب اس قدر گھمبیر تھے کہ خدانخواستہ' سلطنتِ اسلامیہ کا وجود ہی خطرے میں نظر آنے لگا تھا۔

اکابرینِ اسلام نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حالات کی ذمہ داری حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کاندھوں پر ڈال دی تھی اگرچہ اپنے پیارے رفیق نبی کریم ﷺ کی جدائی پر آپؓ کا دل بھی خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہمت اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے مدینہ کی نو زائیدہ اسلامی ریاست کو بچائیں چونکہ اس وقت ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم نے مسلمانوں کو ہوش وحواس سے بے گانہ کر رکھا تھا تو دوسری طرف کفار اور منافقین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور اسلامی ریاست کو مٹانے کے ناپاک ارادے باندھ رکھے تھے۔

کئی قبائل جن کا ایمان ابھی پختہ نہیں تھا یا پھر انھوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا، نبی کریم ﷺ کے وصال کی خبر سن کر مرتد ہو گئے تھے۔ متعدد جھوٹے نبی بن بیٹھے۔ کوئی زکوٰۃ دینے سے انکاری تھا تو کوئی دیگر رکن اسلام سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ غرض ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ ایسے بدترین حالات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود کو سنبھالا اور بے مثال ہمت وحوصلے سے کام لیتے ہوئے اسلام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے والے اس طوفان کے سامنے ڈٹ گئے۔

آپؓ نے اسلام دشمنوں، فسادیوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے نمٹنے کے لیے گیارہ لشکر تشکیل دیئے جن میں پہلے لشکر کے سپہ سالار خالدؓ بن ولید تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ بن خویلد کی خبر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس

بیہودہ اور کذاب شخص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا۔ طلیحہ بن خویلد ایک فریب کار اور مکارانہ باتیں بنانے میں ماہر شخص تھا۔ اس نے اپنی چکنی چپڑی، پُر فریب اور سحر انگیز باتوں سے بہت سے لوگوں کے ذہنوں پر قبضہ کرلیا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید اس فتنہ کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتے تھے۔ پس آپؓ کُوچ پر کُوچ کرتے اور ہفتوں کا سفر دنوں میں طے کرتے۔ بلائے ناگہانی کی طرح جھوٹوں کے سردار طلیحہ بن خویلد کے سر پر جا پہنچے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی طلیحہ بن خویلد اور اس کے حواریوں کے ساتھ کئی لڑائیاں ہوئیں۔ یہ بڑے ڈھیٹ لوگ ثابت ہوئے اِدھر شکست کھا کر بھاگتے، اُدھر پھر سے جمع ہو کر مقابلے پر آ جاتے۔ آخر شکست پر شکست ایک طرف تو ان کے حوصلوں پر دراڑیں ڈالنے لگی اور دوسری طرف ان کی افرادی قوت کم ہونے لگی۔ صورت حال کو دیکھتے ہوئے طلیحہ بن خویلد نے اپنی ساری قوت یکجا کر کے حضرت خالدؓ سے فیصلہ کُن لڑائی کا ارادہ کرلیا۔ خود حضرت خالدؓ بن ولید بھی یہی چاہتے تھے کہ اس کذاب کے سارے حواری ایک جگہ جمع ہوں تو آپؓ اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔

آخر وہ وقت بھی آ گیا جب حق و باطل آمنے سامنے تھے۔ پھر کیا تھا اللہ کی تلوار بجلی کی طرح حرکت میں آئی اور ایک ہی حملے میں بے شمار دشمن خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ حضرت خالدؓ کی دیکھا دیکھی مجاہدین بھی اللہ کا نام لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اسلامی لشکر کا یہ حملہ اس

قدر شدید اور جان لیوا تھا کہ طلیحہ بن خویلد اور اس کے حواری جان بچانے کے لیے بھیڑ بکریوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ لیکن ان کے لیے آج کسی طرف امان نہ تھی، ان کی اکثریت ماری گئی۔ طلیحہ بن خویلد خود حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا کر جان بچانے کے لیے شام کی طرف بھاگ نکلا۔

(ایک روایت کے مطابق بعد ازاں طلیحہ بن خویلد توبہ کر کے سچے دل سے مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے باقی زندگی بعد مسلمان کی حیثیت سے بسر کی اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔)

طلیحہ بن خویلد سے نمٹنے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے مالک بن نویرہ کا رخ کیا۔ یہ شخص قبیلہ بنو تمیم کا سردار تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ دینے سے منکر ہو گیا تھا اور مسلمان لشکر کے خلاف لڑنے پر آمادہ تھا۔ چنانچہ خالدؓ کی سپہ سالاری میں مسلمان مجاہدین نے مالک بن نویرہ پر حملہ بول دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بزدلوں اور مرتدوں کا یہ ٹولہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ بھاگنے والوں میں سے اکثریت مجاہدین کے ہاتھوں ماری گئی۔ اس معرکہ میں مارے جانے والوں میں خود مالک بن نویرہ بھی شامل تھا۔ اسلام کا ایک اور دشمن اپنے حواریوں سمیت حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔

اب حضرت خالدؓ بن ولید نے مسیلمہ کذاب کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسیلمہ کذاب انتہائی جھوٹا، مکار اور فریبی شخص تھا۔ اس بدفطرت کی فریب کاریوں کا اندازہ

اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے نہ صرف نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا بلکہ اس بیہودہ شخص نے نبی کریم ﷺ پر یہ بہتان بھی باندھ ڈالا کہ آپ ﷺ نے اسے اپنا ساجھی بنا رکھا تھا۔ اس نے اپنا ایک باقاعدہ لشکر تشکیل دے لیا جو نہ صرف تعداد کے لحاظ سے ایک بڑا لشکر تھا بلکہ جدید اور وافر جنگی سامان سے بھی لیس تھا۔

اصل میں اس کذاب کی سرکوبی کے لیے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عکرمہؓ کو مقرر کیا تھا اور ان کی مدد کے لیے حضرت شرجیلؓ کو روانہ کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی تھی کہ حضرت شرجیلؓ کے پہنچنے تک مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ نہ چھیڑی جائے لیکن حضرت عکرمہؓ نے جوش میں آ کر حضرت شرجیل کے آنے سے قبل ہی مسیلمہ کذاب کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ایک تو حضرت عکرمہؓ کے پاس فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، دوسرے وہ بہت زیادہ جنگی تجربہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ جس وجہ سے حضرت عکرمہ کو مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بالکل یہی غلطی حضرت شرجیلؓ نے دہرائی اور حضرت خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن سے جا ٹکرائے اس لڑائی کا نتیجہ بھی شکست کی صورت میں ہوا۔

دو مسلمان سپہ سالاروں کو شکست دے کر ایک طرف تو مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکریوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے تو دوسری طرف اس نے یہ دلیل دینا شروع کر دی تھی کہ اگر وہ (نعوذ باللہ) برحق نبی نہ ہوتا تو حضرت عکرمہؓ اور حضرت شرجیلؓ جیسے جلیل القدر اصحاب اس سے ہرگز شکست نہ کھاتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سادہ لوح لوگ اس کذاب کے جھانسے میں

آسانی سے آنے لگے جن کی بدولت اس کی فوجی اور سیاسی قوت بڑھنے لگی۔اب اس کذاب کے فتنے کا فوری خاتمہ بہت ضروری ہو گیا تھا۔

ان حالات کا اندازہ حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی تھا۔جنہیں اب خلیفہ اول کی طرف سے اس کذاب کے خاتمہ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔اس لیے آپ برق رفتاری سے منزلوں پر منزلیں طے کرتے مسیلمہ کذاب کے سر پر آ پہنچے۔''عقربا'' مقام پر دونوں کی فوجیں آمنے سامنے تھیں۔

جب مسیلمہ کذاب کو حضرت خالدؓ بن ولید کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ چالیس ہزار فوجیوں کے ساتھ میدان جنگ میں اترا۔حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک اونچی جگہ پر اپنے لشکر کو روک لیا، یہاں سے آپؓ دشمن پر اچھی طرح نظر رکھ سکتے تھے۔

مسیلمہ کذاب نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔دائیں حصہ کی سپہ سالاری نہار الرجال کے سپرد کی۔بائیں حصے کا سردار حکم بن طفیل کو مقرر کیا جبکہ قلب کی قیادت خود سنبھال لی اور جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔

حضرت خالدؓ نے سب سے پہلے مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کو دین حق کی دعوت دی۔جواب میں مسیلمہ کذاب نے مسلمانوں کو اپنے خودساختہ دین کی طرف بلایا۔پھر دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔مسیلمہ کذاب ایک فریبی اور مکار شخص ہی نہیں تھا بلکہ بطور جنگی ماہر کے اس نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔اس نے جنگ کی چال چلی تاکہ مجاہدین تھک

جائیں تو ان پر دائیں بائیں سے طوفانی حملے کر کے تہس نہس کر دیا جائے۔ اس کے برعکس حضرت خالدؓ بن ولید نے سامنے سے سیدھے حملہ کا فیصلہ کیا تاہم آپؓ نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک طرف ابو حذیفہؓ تھے تو دوسرے بازو کی کمان زیدؓ بن خطاب سنبھالے ہوئے تھے جبکہ قلب کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی۔

یہ 632ء کی بات ہے۔ دسمبر آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ ایک صبح مسیلمہ کذاب اور لشکر اسلام کے درمیان ایسی خونریز جنگ کا آغاز ہوا جس کی مثال اس سے پہلے کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔

کذابی لشکر کی طرف سے دائیں طرف کے سپہ سالار نہار الرجال نے مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ مقابلہ پر زیدؓ بن خطاب آئے۔ دونوں کے درمیان مردانہ وار مقابلہ ہوا لیکن آخر نہار الرجال زید بن خطاب کے ہاتھوں مارا گیا۔

پھر گھمسان کا رن پڑا۔ یوں لگتا تھا جیسے فریقین فتح و شکست کے لیے نہیں بلکہ زندگی اور موت کے لیے برسرِ پیکار ہوں۔

حضرت خالدؓ کی قیادت میں مجاہدین بڑھ چڑھ کر مرتدین پر حملہ آور ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کذابی لشکر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔

دوسری طرف مسیلمہ کذاب اپنے لشکر کو گھما پھرا کر دفاعی انداز میں لڑا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ مسلمان تھک جائیں تو انہیں گھیرے میں لے کے پیس ڈالے۔ کذاب کی طرف سے

دفاعی جنگ کے باوجود جنگ میں بے پناہ شدت پائی جاتی تھی۔زمین خون سے سرخ ہو رہی تھی۔زمین پر جا بجا لاشے بکھرے پڑے تھے یا زخمی پڑے آہ و بکا میں مصروف تھے۔مجاہدین چونکہ تعداد میں قلیل تھے اور انہوں نے جارحانہ حکمت عملی اپنا رکھی تھی، اس لیے ان پر آہستہ آہستہ تھکن غالب آنے لگی۔

مسیلمہ کذاب اسی لمحے کے انتظار میں تھا۔اُس نے تازہ دم دستے جنگ میں بھیج دیئے جو یکا یک دفاعی جنگ چھوڑ کر مجاہدین پر جارحانہ حملے کرنے لگے۔کذابی لشکر کے تازہ دم دستوں نے تھکے ہارے مجاہدین پر بے پناہ دباؤ بڑھا دیا۔لشکر اسلام حملوں کی شدت سے پسپا ہونے لگا تھا۔

مسلمانوں کی پسپائی کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ وہ تعداد میں کم تھے اور لڑتے لڑتے تھک چکے تھے۔تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ایسی بے شمار جنگیں لڑیں تھیں جن میں دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن مجاہدین نے اللہ کے فضل سے انہیں شکست فاش دی۔اس بار پسپائی کی ایک بڑی وجہ لشکر اسلام میں اختلاف کا پیدا ہونا تھا۔اس موقعہ پر مہاجرین و انصار اس بحث میں پڑ گئے کہ ان میں سے زیادہ بہادر کون ہے؟

یہ وہ نازک وقت تھا کہ اسلامی لشکر دشمن کی طاقت سے زیادہ اپنی نا اتفاقی کے باعث تباہی کے دھانے پر پہنچ چکا تھا۔دشمن کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا اور اسلامی لشکر میں شکست کے آثار پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔

حضرت ثابتؓ بن قیس، حضرت زیدؓ بن خطاب اور حضرت حذیفہؓ جیسے بہادر اور نامور جنگجو جرأت و بہادری کی نئی تاریخ رقم کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

اس لمحے وہ شخص آگے بڑھا جس کے بارے میں عرب کہا کرتے تھے کہ وہ جنگ کا پانسہ پلٹنے اور ہاری ہوئی جنگ جیتنے میں بے مثال ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس نازک صورت حال میں اپنے حواس کو مجتمع کیا پھر مہاجرین و انصار کی بہادری کا قضیہ (جھگڑا) یوں نمٹایا کہ مہاجرین کا لشکر الگ بنا دیا اور انصار کا لشکر الگ بلکہ تیسرا لشکر بدوؤں کا تشکیل دیا اور فرمایا کہ اب ثابت کرو کہ تم میں سے اللہ کے زیادہ قریب کون ہے؟ اس سپاہی نے اسلامی لشکر کی کمزوری کو دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے لیے کیسی خوفناک اور تباہ کن طاقت میں بدل دیا تھا۔ پھر آپؓ مسلمانوں سے یوں مخاطب ہوئے: ''اللہ کے مجاہدو! ہم نے میدانِ جنگ میں باہمی اتحاد کو نظر انداز کیا ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ تم میں سے کون بہادری سے لڑا اور کون پہلے بھاگا، مہاجر، انصار یا بدو؟ اب میں نے تینوں کو الگ الگ کر دیا ہے۔ بہادری اور بددلی کا فیصلہ طعنہ زنی سے نہیں میدانِ جنگ میں ہوگا۔ اٹھو! اور دشمن پر جوابی حملہ کرو۔ اگر ایک گروہ پر دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو دوسرا اس کی مدد کرے۔ ہمیں آج ثابت کرنا ہے کہ مسیلمہ کی نبوت جھوٹی ہے۔ یاد رکھو! اگر آج ہم شکست کھا گئے تو جھوٹی نبوت تم پر مسلط ہو جائے گی۔ ہم مسیلمہ کے غلام اور ہماری عورتیں مرتدین کی لونڈیاں ہوں گی۔''

حضرت خالدؓ بن ولید کے خطاب کے بعد تمام لشکر نے قسمیں کھائیں کہ وہ آخری دم

تک دشمن سے لڑیں گے۔ پھر حضرت خالدؓ کے حکم پر اسلامی لشکر ''اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ فریقین ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ کبھی اسلامی لشکر کا پلہ بھاری نظر آتا تو کبھی مسیلمہ کذاب کے فوجی میدان مارتے نظر آتے۔ مؤرخین کے مطابق مسلمانوں کو ایسا سخت اور خونریز معرکہ پہلے کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ میدان لہو رنگ ہو گیا تھا اور ہر طرف لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے ذہن نے صورت حال کا تجزیہ کیا تو ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ جب تک مسیلمہ کذاب نہیں مارا جاتا، دشمن کو ہرانا محال ہے۔ اس فیصلے پر پہنچ کر حضرت خالدؓ نے نظر میدانِ جنگ پر ڈالی اور پھر اللہ کا نام لے کر تن تنہا دشمن پر ٹوٹ پڑے، جو سامنے آیا مارا گیا۔ مرتدین کے کئی نامی گرامی جنگجو حضرت خالدؓ کی تلوار کا نشانہ بنے۔ آپؓ دشمن کو مارتے کاٹتے مرتدین کے قلب تک جا پہنچے اور مسیلمہ کذاب کو مقابلے کی دعوت دی۔ کذاب جو حضرت خالدؓ بن ولید کے غیض و غضب اور جنگی مہارت کے ہاتھوں اپنے سورماؤں کو گاجر مولی کی طرح کٹتے دیکھ چکا تھا گھبرا کر اپنے محافظوں کے حلقے میں لشکر کے مزید اندر چلا گیا۔

حضرت خالدؓ نے پلٹ کر مجاہدین کو یک دم حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود مسیلمہ کے محافظ دستے پر ٹوٹ پڑے۔ مسیلمہ کے محافظوں کا حلقہ حضرت خالدؓ کی تلوار نے تہس نہس کر دیا تھا۔ دشمن پلٹ کر بھاگا۔ مؤرخین کے مطابق یہ لڑائی اس قدر خونریز تھی کہ جس گھاٹی میں یہ لڑائی ہو رہی تھی اس کا نام ہی ''خون کی گھاٹی'' پڑ گیا۔

مرتدین کی ایک بڑی تعداد نے بھاگ کر حدیقۃ الرحمٰن نامی باغ میں پناہ لے لی۔ یہ قلعہ نما وسیع وعریض باغ تھا جس کا دروازہ بے حد مضبوط تھا۔ حضرت خالدؓ مجاہدین کے ساتھ دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے اس باغ کے دروازے تک پہنچ چکے تھے اور سوچ رہے تھے کہ مضبوط دروازے کو کیسے کھولا یا توڑا جائے؟ اس دوران میں ایک بہادر سپاہی براءؓ بن مالک آگے بڑھا اور اس نے اصرار کیا کہ اُسے باغ کے اندر پھینک دیا جائے تاکہ وہ باغ کا دروازہ کھول دے۔ جب براء کا اصرار حد سے بڑھا تو اسے باغ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا۔ اُس اللہ کے سپاہی نے اندر کُود کر درجنوں دشمن سپاہیوں کا گھیرا تلوار کے زور پر توڑ کر باغ کا دروازہ کھول دیا۔ پھر اسلامی لشکر سیلاب کی مانند باغ میں داخل ہو گیا۔ یہاں مرتدین اس کثرت سے مارے گئے کہ اس باغ کا نام ہی ''حدیقۃ الموت'' پڑ گیا۔

اب مسیلمہ کذاب کو اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے چند محافظوں کے ساتھ باغ سے بھاگ نکلنے کی کوشش میں وحشی بن حرب کی برچھی کا نشانہ بن کر شدید زخمی ہو گیا۔ کذاب اپنے پیٹ سے برچھی نکالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ابو دجانہؓ نے آگے بڑھ کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ جسے دیکھ کر مرتدین کا بچا کھچا لشکر بھی سر پر پاؤں رکھ کا بھاگ کھڑا ہوا اور یوں تاریخ اسلام کی خونریز ترین جنگ ختم ہو گئی جو حضرت خالدؓ کے فوجی کارناموں میں ایک یادگار کارنامے کا اضافہ کر گئی۔

اب خالدؓ بن ولید کی نظریں ''حیرہ'' پر لگی تھیں۔ دریائے فرات کے کنارے بسا یہ شہر

آتش پرستوں (آگ کو پوجنے والوں) کا گڑھ مانا جاتا تھا۔ اس علاقے پر ازادبہ نامی شخص حکومت کرتا تھا۔ ازادبہ نے خورنق نام کا ایک ایسا شاندار محل بنوار کھا تھا جس کی مثال مدائن سے روم تک نہیں ملتی تھی۔ اس بے مثال محل کے باغات دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس محل سے کسریٰ ایران کی ضیافت طبع کا سامان مہیا کیا جاتا تھا۔

جب مجاہدین اسلام نے کشتیوں میں سوار ہو کر اس شہر کا رخ کیا تو ازادبہ نے دریائے فرات کے پانی کا رخ نہروں کی طرف موڑنے کا حکم دے دیا۔ اس کام کی نگرانی کے لیے اس نے اپنے چہیتے بیٹے اور ولی عہد کو بھیجا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی لشکر کی کشتیاں دلدل میں پھنس کر تباہ ہو جائیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید جو ایک ماہر جنگ جو تھے‘ دشمن پر ہمیشہ نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ ازادبہ کی چال جونہی خالدؓ بن ولید کے علم میں آئی انہوں نے چند بجلی صفت سواروں کو خشکی کے راستے اس جگہ پہنچ کر دشمن کو تباہ کرنے کا مشن سونپ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سوار ریت کے بگولے اڑاتے اس قدر حیران کن رفتار سے بند باندھتے دشمن کے سر پر جا پہنچے کہ اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ اللہ کے ان سپاہیوں نے آن کی آن میں اس دشمن دستے کو خاک میں ملا دیا جس کی قیادت حیرہ کا ولی عہد کر رہا تھا۔

ازادبہ ابھی اپنے لاڈلے بیٹے کی موت پر سکتہ کی کیفیت میں تھا۔ کہ اسے ایرانی شہنشاہ اردشیر کے مرنے کی اطلاع بھی مل گئی۔ یکے بعد دیگرے ان وحشت ناک خبروں نے ازادبہ

کے حواس چھین لیے اور وہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کرنا معلوم منزلوں کا راہی ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے آخری بار مدائن جانے والے راستے پر دیکھا گیا تھا۔

خالدؓ بن ولید جب خورنق کے شہرۂ آفاق محل میں پہنچے تو اسے اپنے مکینوں کی بے وفائی پر افسردہ اور اجڑا ہوا پایا۔ خالدؓ جب احتیاطاً ایک طویل چکر کاٹ کر حیرہ پہنچے تو اس کے دروازے کھلے دیکھ کر حیران رہ گئے وہ شہر میں داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ شاہی افواج مسلمانوں سے خوفزدہ ہو کر مدائن کی طرف فرار ہو گئی ہیں۔

حیرہ فتح ہو چکا تھا لیکن اس کے اردگرد چار مضبوط اور مشہور قلعے تھے۔ جنہیں فتح کیے بغیر حیرہ پر قبضہ کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ یوں تو ان چاروں قلعوں کے محافظ بہادر اور جابر جنگجو تھے لیکن ان میں سے قصرِ ابنِ بغیلہ نامی قلعے کا قلعے دار عبدالمسیح بن عمروان چاروں قلعوں کی اصل طاقت مانا جاتا تھا۔ اس کو ''عراق کا شہزادہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ باقی تینوں قلعہ دار اس کے زیرِ اثر تھے۔ عبدالمسیح ایک حاضر دماغ، حاضر جواب، غیر معمولی دانشمند اور جرأت و حوصلہ میں بے مثال شخص تھا۔ اس وقت اُس کی عمر سو سال کی تھی۔ بڑھاپے کے باعث اس کی کمر جھک چکی تھی لیکن اس کی ہمت اور حوصلہ بدستور جواں تھا۔

خالدؓ بن ولید نے قلعہ داروں کو قبول اسلام یا جزیہ کی ادائیگی کا پیغام بھیجا۔ جواب میں چاروں نے متفقہ طور پر خالدؓ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

خالدؓ بن ولید نے چاروں قلعوں پر بیک وقت حملہ کر دیا۔ مجاہدین کو چاروں جگہ شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ فریقین کے درمیان مقابلہ سخت تھا۔ خالدؓ بن ولید چاروں

قلعوں کو ایک ہی روز میں فتح کرنے کے خواہش مند تھے لیکن قلعوں کی بلند فصیلوں سے مجاہدین پر تیروں اور منجنیقوں کے ذریعے مٹی اور پتھر کے گولے کی بارش ہو رہی تھی۔ دوسری طرف مجاہدین کے بلندی کی طرف چلائے جانے والے تیر اس طرف کارگر نہیں ہو رہے تھے۔ اس صورتِ حال سے دشمن کے حوصلے بلند تھے۔

ادھر یہ حالات خالدؓ بن ولید سے بھی پوشیدہ نہ تھے۔ انہوں نے بغور صورت حال کا جائزہ لیا۔ پھر انہوں نے اپنے لشکر سے ماہر اور طاقتور تیر اندازوں کو الگ کر لیا۔ پھر انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی حفاظت کا خیال رکھتے ہوئے ممکنہ حد تک فصیل کے قریب ہو جائیں اور پھر اچانک تاک تاک کر فصیل پر متعین دشمن کو نشانہ بنائیں۔ خالدؓ کی ماہرانہ جنگی حکمت عملی کے نتیجے میں دیکھتے ہی دیکھتے فصیل پر پہرہ دیتے درجنوں سپاہی موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ تیر انداز مجاہدین کا یہ حملہ اس قدر اچانک، شدید اور موثر تھا کہ دشمن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا۔

آخر چاروں قلعوں کے دروازے کھل گئے اور مئی 633ء کی ایک صبح خالدؓ بن ولید اور حیرہ کے سرداروں اور ان قلعہ داروں کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ معاہدے کے تحت حیرہ نے سالانہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم ادا کرنے تھے جبکہ بدلے میں اسلامی فوج نے حیرہ کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کی۔

حیرہ اور ان چاروں قلعوں پر فتح پانے کے بعد خالدؓ بن ولید نے عرب سے باہر حیرہ کو پہلے اسلامی دارالحکومت کا درجہ دے دیا۔ خالدؓ بن ولید نے یہاں کا نظم و نسق مقامی سرداروں ہی کے ہاتھ رہنے دیا اور اپنی ساری توانائیاں اردگرد کے علاقہ کو فتح کرنے میں صرف کر

دیں۔انہوں نے اسلامی لشکر کو کئی حصوں میں بانٹ کر آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔اس طرح جون 633ء کے آخر تک دجلہ اور فرات کا تمام درمیانی علاقہ حیرہ کی اس اسلامی ریاست کے زیر نگیں آچکا تھا۔

خالدؓ بن ولید خلیفہ کا پیغام پڑھ کر بے حد پریشان تھے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ جب تک عیاض بن غنم کا لشکر دومتہ الجندل کی مہم سر کر کے تم سے نہیں آملتا، مدائن کی طرف پیش قدمی نہ کرنا۔

خالدؓ علاقے کی صورتِ حال پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ اگر مدائن کو اس وقت یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو صدیوں کی شہنشاہت کے زیرِ اثر رہنے والی وسیع علاقے پر پھیلی ان آبادیوں میں بغاوت پھوٹ پڑے گی اور اتنے بڑے رقبہ پر پھیلنے والی بغاوت سے نمٹنا محال ہوگا۔یہ حالات نہ صرف خود خالدؓ بن ولید اور اس کی فوج کے لیے انتہائی خطرناک ہوں گے بلکہ عیاض بن غنم کا لشکر بھی سنگین خطرات میں آجائے گا۔

خالدؓ بن ولید کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو خلیفۃ الرسولؐ کا حکم تھا جسے وہ نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے جبکہ دوسری طرف حالات مدائن کے خلاف فوری کاروائی کے حق میں تھے۔تیسری طرف اس بات کا ذرا بھی امکان نظر نہیں آرہا تھا کہ عیاض بن غنم جلد ہی دومتہ الجندل کے خلاف کامیابی حاصل کرلیں گے۔

حضرت خالدؓ کچھ دیر گہرے غور و فکر میں ڈوبے رہے پھر ایک فیصلے پر پہنچ گئے۔انہوں نے مجاہدین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: ’’خلافتِ مدینہ کا احترام اپنی جگہ مسلم ہے لیکن حالات ایسے ہیں کہ ہم عیاض کی فوج کا انتظار نہیں کرسکتے۔

اللہ کی قسم! کسریٰ کی فوج ہم سے خائف ہے۔ دوسری طرف اہل مدائن تخت نشینی کے جھگڑوں میں پڑے ہیں۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ دشمن کو طاقتور ہونے سے پہلے کچل دیا جائے۔"

اسی وقت ایرانی فوج کی زیادہ تر نفری ریاست کے دو بڑے شہروں عین التمر اور الانبار میں تھی۔ عین التمر، حیرہ کے قریب واقع تھا۔ جبکہ الانبار کا فاصلہ اس سے دوگنا تھا۔ فرات کے کنارے واقع الانبار اہم تجارتی شہر تھا۔ اس میں غلّے کے بڑے بڑے ذخائر تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اللہ کا نام لے کر جون 633ء کے آخر میں نو ہزار مجاہدین کے ساتھ مدائن کی طرف کوچ کیا۔ اس وقت خالدؓ بن ولید خلافت مدینہ کا حکم مان کر مدائن کے خلاف کارروائی کا آغاز نہ کرتے تو علاقے میں مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو سکتی تھی اور اس سے عیاض بن غنم کو بھی شدید نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔

خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے الانبار کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا جس تک پہنچنے کے لیے شیرزاد سے نمٹنا ضروری تھا۔ خالدؓ کوچ در کوچ کرتے ہوئے فرات کے کنارے واقع اس شہر کے نواح میں جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر حضرت خالدؓ بن ولید نے حسبِ روایت کسریٰ اور مدائن کے حکام کو پیغامات بھجوائے۔ جن میں کہا گیا تھا "نجات صرف مدینہ کی اطاعت میں ہے۔ قبولِ اسلام یا قبولِ جزیہ؟ دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

جواب نفی میں ملا۔ اس پر خالدؓ بن ولید نے اپنے تیر اندازوں کے خصوصی دستے طلب کر لیے۔ ان تیر اندازوں کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ جسمانی طور پر مضبوط اور طاقتور تھے اور بہت دور سے

اپنے ہدف کو ٹھیک ٹھیک نشانہ بنانے میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ خالدؓ نے ایسے ایک ہزار تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ خندق کے قریب اس انداز میں جائیں جیسے خندق عبور کرنے یا جائزہ لیتے جا رہے ہوں۔ پھر یہاں سے اچانک اور بیک وقت فصیل کے محافظوں کی آنکھوں کو نشانہ بنائیں۔

پھر ایک ہزار تیر انداز خندق کے پاس گئے اور پیشتر اس کے کہ دشمن ان کا منشا سمجھ پاتا ایک ہزار تیر فصیل کی حفاظت پر مامور مجوسیوں کی آنکھوں میں اُتر گئے۔ جب وہ چیخ و پکار کرتے قلعے کے اندر گئے تو وہاں موجود لوگوں کے چہرے خوف و دہشت سے پیلے پڑ گئے۔ خود شیر زاد اس قدر خوف زدہ ہوا کہ فوراً چند شرائط پر خالدؓ بن ولید کو صلح کی پیشکش کر دی۔ خالدؓ نے جواباً پیغام دیا کہ مفتوح کو شرائط پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ پھر خالدؓ بن ولید نے خود خندق کا جائزہ لیا اور اس کا نسبتاً کم چوڑا حصہ منتخب کیا۔ پھر کمزور اور بیمار اونٹوں کو ذبح کر کے اس میں پھینکوا دیا۔ یوں خندق کا یہ حصہ بھر گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے خالدؓ بن ولید اپنے مخصوص تیر اندازوں کے ساتھ اس انوکھے پل سے خندق عبور کر گئے۔ جب دشمن نے دیکھا کہ مسلمان تیروں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خندق عبور کر رہے ہیں تو ان کا رہا سہا حوصلہ بھی جواب دے گیا' وہ بھیڑ بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ مجوسی سپہ سالار نے فوج کے ایک حصہ کو حکم دیا کہ وہ قلعہ سے نکل کر خندق عبور کرتے مسلمانوں کو روکے۔ قلعے کا دروازہ کھلتے دیکھ کر خالدؓ بن ولید نے قلعہ سے باہر آتے شخص کو آڑے ہاتھوں لیا۔ خالدؓ بن ولید کی زیرِ قیادت مسلمانوں نے ان مجوسی سپاہیوں کو دیکھتے ہی دیکھتے تہہ تیغ کر دیا۔ دشمن کی لاشیں خندق میں پھینک دی گئیں جس کے نتیجے میں اونٹوں سے بنا پُل مزید چوڑا ہو گیا۔ قلعہ دار نے گھبرا کر قلعہ کا کھلا دروازہ فوراً بند کر دیا۔

قلعہ بند دشمن کی حالت خوف و دہشت کے مارے خراب ہو رہی تھی۔ اب وہ فتح تو دور کی بات ہے' لڑائی کا بھی نہیں سوچ رہے تھے۔ انہیں کوئی فکر تھی تو بس جان بچانے کی۔ قلعہ والوں کی حالت عجیب و غریب تھی۔ ایک طرف شیر زاد پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ دوسری طرف زخمیوں کی آہ و بکا اور تیسری طرف ہلاک ہونے والوں کے عزیز و اقارب کا رونا اعصاب کا امتحان لے رہا تھا۔ آخر شیر زاد کا حوصلہ جواب دے گیا اس نے حضرت خالدؓ بن ولید سے امان کی درخواست کی۔ خالدؓ نے کہا۔

''میں شیر زاد کو اس کے خاندان اور سپاہیوں کے ساتھ اس طرح شہر سے جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ ان کے پاس گھوڑوں کے سوا کچھ نہ ہو اور وہ ہماری فوج کے سامنے سے گزریں۔''

جولائی 633ء کی گرم صبح شیر زاد گردن جھکائے اپنے اہلِ خانہ اور بچی کھچی فوج کے ساتھ شہر چھوڑ گیا۔ خالدؓ مجاہدین کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے فاتحانہ' شہر میں داخل ہو گئے۔ شہریوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے نائب زبرقان بن بدر کو یہاں کا امیر مقرر کیا اور خود عین التمر کی طرف کُوچ کر گئے۔

حضرت عیاضؓ بن غنم دومتہ الجندل کی مہم میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ اس شہر کو زیر کرنے کے لیے ان کی ہر کوشش ناکام رہی تھی۔ آخر تنگ آ کر عیاضؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مدد کے لیے پکارا۔ جب خالدؓ بن ولید کو عیاضؓ بن غنم کا پیغام ملا وہ مدائن پر حملے کا سوچ رہے تھے لیکن اب عیاضؓ کی مدد ناگزیر تھی۔ کچھ دیر سوچ بچار کے بعد حضرت خالدؓ نے جواب بھیجا۔

عیاض! ذرا صبر کرو، تلواریں لہراتے دستے برق رفتاری سے تمہاری مدد کے لیے پہنچ رہے ہیں۔"

پھر خالد نے عدیم کو عین التمر کا امیر بنایا اور خود محض چھ ہزار منتخب سواروں کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف کُوچ کر گئے۔ اللہ کے سپاہیوں کا یہ مختصر سا لشکر ہوا سے باتیں کرتا ہوا صرف دس روز میں اکیدر بن مالک کے سر پر پہنچ گیا۔

جی ہاں! یہ وہی اکیدر بن مالک تھا جس نے رسول ﷺ کے دور میں بھی اکڑ دکھائی تھی اور آپ ﷺ کے حکم پر خالدؓ زندہ پکڑ کر بارگاہِ رسول ﷺ میں پیش کر چکے تھے۔ اُسی وقت اس نے اپنے رویے پر معذرت کر کے اطاعت قبول کر لی تھی لیکن نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ گستاخ پھر سے مسلمانوں کے خلاف ہو گیا تھا۔

دومتہ الجندل میں اس وقت اکیدر بن مالک کے لشکر کے علاوہ بڑے بڑے عیسائی قبائل اور بت پرستوں کے جنگجو بھی بھاری تعداد میں موجود تھے۔

اکیدر بن مالک کو جب حضرت خالدؓ بن ولید کی آمد کا پتہ چلا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اُس نے جودی بن ربیعہ اور دیگر سالاروں کا مشورہ دیا کہ خالدؓ کا جنگی مہارت میں جواب نہیں اور فتح ہمیشہ اس کے قدم چومتی ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے لیکن جودی اور اس کے دیگر سالاروں کا چونکہ کبھی خالدؓ سے پالا نہیں پڑا تھا اس لئے وہ جنگ کرنے کے لیے اڑے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ خالدؓ کا مختصر لشکر طویل سفر کے بعد یہاں پہنچا ہے لہٰذا بہت تھکا ہوا ہو گا اس لیے اسے شکست دینا مشکل نہیں۔

یوں دومتہ الجندل کے باہر میدان جنگ سج گیا۔ جودی اور ودیعہ خالدؓ بن ولید کے

مقابلے پر آئے جبکہ ابنِ حذرجان اور ابنِ الیہم عیاض بن غنم کے خلاف میدان میں اُترے۔

خالدؓ بن ولید کو اصل فکر مدائن کی تھی جہاں وہ کام ادھورا چھوڑ کر آئے تھے اس لیے وہ جلد از جلد دومتہ الجندل کا قضیہ نمٹانا چاہتے تھے۔ خالدؓ نے کچھ سواروں کو عرب جانے والے راستے پر متعین کیا اور اپنے بچ جانے والے مختصر سے لشکر کے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ جودی اور ودیعہ کو زندہ گرفتار کیا جائے۔

خالدؓ اور آپؓ کے مجاہدین کے پاس وقت کم تھا اس لئے انہوں نے دشمن پر اتنی شدت اور جارحیت کے ساتھ حملہ کیا۔ دشمن جو خالدؓ کے لشکر کو تعداد میں کم، تھکا ہارا اور آسان ہدف جان کر اپنی فتح کو یقینی سمجھے بیٹھا تھا۔ اس قہر انگیز حملے کی تاب نہ لا کر تنکوں کی طرح بکھرنے لگا۔ مقابلہ تو دور کی بات الٹا انہیں جان کے لالے پڑ گئے۔ خالدؓ کے حکم کی تعمیل میں جودی اور ودیعہ کو زندہ پکڑ لیا گیا۔ جب عیسائی دستوں نے اپنے سرداروں کا حشر دیکھا تو انہیں عافیت اسی میں نظر آئی کہ بھاگ کر قلعے میں پناہ لے لیں۔

دوسری طرف عیاض بن غنم دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ فریقین کے درمیان سخت مقابلہ جاری تھا کہ اکیدر نے ابنِ حذرجان اور ابنِ الایہم کی مدد کے لیے قلعہ سے تازہ دم فوجی دستے بھجوا دیے۔ جس سے دشمن کا پلہ بھاری ہو گیا اور عیاض کا لشکر پسپا ہونے لگا۔

اس صورت حال میں چاہیے تو یہ تھا کہ خالدؓ بن ولید، عیاض بن غنم کی مدد کو آتے لیکن وہ تو اس سارے منظر سے لاتعلق نظر آ رہے تھے۔ خالدؓ کے اس رویے پر عیاض پریشان اور دشمن حیران تھے۔ دشمن اب تک عیاض بن غنم کے لشکر کو دھکیلتے ہوئے کافی آگے بڑھ چکا تھا اور اس

محاذ پر اسے اپنی فتح بالکل سامنے نظر آ رہی تھی لیکن اس وقت وہ ہو گیا جس کی کسی کو بھی توقع نہ تھی۔ اب دشمن اور دوست دونوں کو خالدؓ کے لاتعلق کھڑے ہونے کی وجہ سمجھ آ چکی تھی لیکن اس وقت تک دشمن کو دیر ہو چکی تھی۔ خالدؓ اچانک اپنے سواروں کے ساتھ برق رفتاری سے حرکت میں آ کر دشمن کے عقب پر خوفناک حملہ کر چکے تھے۔ اب میدان جنگ کا نقشہ یوں تھا کہ عیسائی لشکر کے سامنے عیاضؓ کے سپاہی تھے اور عقب اور بازوؤں سے خالدؓ بن ولید کے لشکر نے اسے گھیر رکھا تھا۔ جب عیاضؓ اور اس کے سپاہیوں کو خالدؓ بن ولید کی چال سمجھ میں آئی تو وہ عش عش کر اُٹھے، ان کے ٹوٹے حوصلے بلند ہوئے اور انہوں نے پلٹ کر دشمن پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن گھبرا کر پیچھے بھاگا لیکن پیچھے کہاں بھاگتا؟ عقب میں تو خالدؓ اور ان کے مجاہدین کا قیامت خیز حملہ جاری تھا۔ ابنِ حذرجان، ابن الایہم کو بچاؤ کی اور صورت شاہراہِ عرب کی طرف فرار میں نظر آئی لیکن انہیں کیا پتہ تھا کہ وہاں تو خالدؓ کے سپاہی کب سے ان کے منتظر تھے۔

دشمن چاروں طرف سے بُری طرح گِھر چکا تھا، ہر طرف موت ہی موت تھی۔ ابنِ حذرجان اور دیگر دشمن سرداروں اور سپاہیوں کی واحد امید قلعہ تھا، وہ قلعے کے دروازے تک پہنچنے کی جان توڑ کوشش کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے قلعے کے دروازے کے سامنے لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ عیسائی لشکر کا بیشتر حصہ فنا کے گھاٹ اُتر چکا تھا۔ قریب تھا کہ دشمن کے بچے کھچے فوجی بھی مجاہدین کے ہاتھوں مارے جاتے۔ خالدؓ نے ایک اور جنگی چال چلی۔ آپؓ یوں پسپا ہونے لگے جیسے دشمن کے بے پناہ دباؤ نے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا ہو۔ یہ دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہیں قلعے کے دروازے تک پہنچنے کا امکان نظر آنے لگا۔

عیسائیوں نے اور زور لگایا خالدؓ بن ولید مزید پسپا ہو گئے۔ آخر دشمنوں کے لیے قلعے تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

اکیدر جو قلعے کے ایک برج سے صورت حال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے فوراً قلعہ کا دروازہ کھولنے کا حکم دے دیا تا کہ اس کا بچا کھچا لشکر قلعے میں آسکے۔

پھر یوں ہوا کہ ابن حذرجان اور ابن الایہم نے زندگی کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ کا رُخ کیا۔ اب خالدؓ بن ولید مجاہدین کے ساتھ دشمن پر پلٹ پڑے۔ دشمن آگے بھاگ رہا تھا اور خالدؓ اس کے پیچھے تھے۔ جب تک دشمن کو بات سمجھ میں آئی خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ قلعے کے محافظوں کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ کب قیامت ان کے سروں پر پہنچ گئی۔ جب اکیدر اور اہلِ قلعہ کے ہوش ٹھکانے آئے تو شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اکیدر کو اس کے تمام محافظوں اور سرداروں سمیت گرفتار کیا جا چکا تھا۔ جب اکیدر کو خالدؓ بن ولید کو سامنے لایا گیا تو آپؓ نے فرمایا: ''اے اکیدر! تو میرا نہیں، رسول اللہ ﷺ کا مجرم ہے۔ تو نے نبی کریم ﷺ سے بدعہدی کی۔ تجھے معافی نہیں مل سکتی۔'' پھر آپؓ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ اگست 633ء کا ایک خوشگوار دن تھا۔ جب دومتہ الجندل پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔

دومتہ الجندل کا قصہ نمٹانے کے بعد خالدؓ جس تیزی سے گئے تھے اُسی تیزی سے واپس حیرہ لوٹ آئے۔

خالدؓ بن ولید نے اپنی آخری عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ عالمِ اسلام کے اس عظیم

صحابی، مجاہد، سپہ سالار اور جرنیل کی تمام خواہش پوری ہوئیں مگر ایک خواہش پوری نہ ہوئی جو شہادت کی موت کی خواہش تھی۔ ساری عمر اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرنے والے عظیم سپہ سالار نے ہر خطرے کا سامنا کیا مگر شہادت نہ ملی۔ جس کے لیے آپؓ نے فرمایا ''میرے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر زخموں کے نشان نہ ہوں مگر مجھے جہاد کرتے ہوئے شہادت نہ ملی۔'' حضرت خالدؓ بن ولید کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا تھا پھر یہ اللہ کی تلوار کس طرح ٹوٹتی؟ حضرت خالدؓ بن ولید نے 642 ہجری کو حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

✪ ✪ ✪ ✪ ✪

محمد بن قاسم

(نوعمر سپہ سالار فاتح سندھ)

جزیرہ لنکا یا سیلون جو بحر ہند میں واقع ہے اس کا پرانا نام سنگل دیپ یعنی زنجیروں کا جزیرہ ہے جو اس کی بناوٹ کے باعث پڑ گیا۔

وہاں کے سمندر کی بپھری ہوئی لہریں اُچھل کر اپنا جوبن دکھا رہی تھیں۔ سمندر میں ان لہروں سے طوفان برپا تھا۔ طوفانی لہریں اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو غرق کر رہی تھیں۔ سمندر میں سفر کرنے والے تمام چھوٹے اور بڑے جہازوں کے کپتان اس طوفان سے پریشان ہو کر اپنے بچاؤ کے لئے تدبیر کر رہے تھے۔ سمندری طوفان کے باعث فضا میں بے چینی چھائی ہوئی تھی۔ اس طوفان میں ایک ایسا چھوٹا جہاز بھی تھا جس پر مسلمان عرب سوداگر اپنے تجارتی سامان کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ یہ جہاز سراندیپ (سری لنکا) سے بصرہ کی جانب جا رہا تھا۔ عرب سوداگروں کے ساتھ ان کے بیوی بچے بھی سوار تھے۔ سمندری طوفان ہر چیز کو بُری طرح متاثر کر رہا تھا لیکن خوش قسمتی سے عرب سوداگروں کا چھوٹا جہاز طوفان سے محفوظ رہا مگر جب یہ جہاز سندھ کے ساحل کے پاس پہنچا تو بحری قزاقوں کے گروہ

نے اُن پر حملہ کر دیا۔ عرب سوداگروں نے ان ڈاکوؤں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا مگر ڈاکوؤں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور اُن کا سارا سامان لوٹ لیا گیا۔ بحری قزاق ان تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر ''دیبل'' لے گئے۔

قزاقوں کے اس گروہ کو دیبل کے راجا داہر کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ اس لئے تمام افراد کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ جہاں اُن پر ظلم کی انتہا کر دی گئی۔ ان قیدیوں کو بدبودار پانی اور خراب کھانا دیا جاتا تھا۔ جو اس سلوک پر آواز بلند کرتا اُسے بُری طرح پیٹا جاتا تھا۔ جس کی چیخوں سے پورا قید خانہ گونج اُٹھتا تھا۔ عورتوں اور بچوں کو بھی مختلف طریقوں سے تنگ کیا جاتا۔ اس ظلم سے تنگ آ کر ایک قیدی خاتون ناہید نے آواز بلند کی اور دہائی دی۔ اس نے حجاج بن یوسف کے نام خط میں لکھا:

''مجھے اس بات کا مکمل یقین ہے کہ والیٔ بصرہ آنے والے قاصد سے مسلمان بچوں اور عورتوں کی بدحالی کا سن کر اپنے سپاہیوں کو جنگ کا حکم دے چکے ہوں گے۔ اگر حجاج بن یوسف کا خون سرد نہیں ہوا تو وہ میری فریاد پر ہماری مدد ضرور کریں گے۔ اگر ان کا خون سرد ہو چکا ہے تو میرا یہ پیغام بے مقصد ثابت ہوگا۔ یہاں پر رہنے والوں کے سینے میں مسلمانوں کے لیے دل کی جگہ پتھر ہیں۔ اگر میری فریاد پر آپ نے یہاں پر قید مظلوم عورتوں اور بچوں کی مدد نہ کی تو پھر سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں بچے گا اور مجھے مرتے وقت اس بات کا دکھ ہوگا کہ مسلمان افریقہ اور ترکستان پر اپنا جھنڈا تو لہرا رہے ہیں مگر سندھ میں قید قوم کے یتیم اور بے بس بچوں کی مدد نہیں کر سکے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جو تلوار ایران وروم کے ظالم اور مغرور تاجداروں

کے سر پر بجلی بن کر پڑی تھی وہ سندھ کے مغرور اور ظالم راجا کے سامنے بھی مظلوم کے حق میں اٹھے؟

اے حجاج! مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا لیکن اگر آپ کے بدن میں جان باقی ہے تو اپنی قوم کے مستقبل کو بچانے آیئے۔ یہاں پر بے شمار بیوائیں اور یتیم آپ کی آمد کے لیے دعا گو ہیں۔اے حجاج! آپ کیسے مسلمان بادشاہ ہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے اہل ایمان پر ظلم وستم ڈھایا جارہا ہے۔اس ظلم کا کون جواب دے گا؟''

''فقط ایک غیور قوم کی بے بس بیٹی''

خلیفہ عبدالملک کے عہد میں حجاج بن یوسف کی تمام سرگرمیاں عراق اور عرب تک تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کے ذریعے خلیفہ عبدالملک کی حکومت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں بھرپور کوشش کی۔اس دوران حجاج بن یوسف نے بے شمار بے گناہ انسانوں کا قتل بھی کیا مگر خلیفہ عبدالملک کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک کے خلیفہ مقرر ہونے پر مزاج بالکل بدل گیا۔اس نے اپنی باقی زندگی مشرق اور مغرب میں مسلمانوں کی کامیابی کے لیے گزار دی۔اس حکمران نے سندھ، سپین اور ترکستان میں اسلام کا پرچم لہرانے کے لیے ایسے سپہ سالار چُنے جنہوں نے اپنی کامیاب حکمت عملی سے اسلام کا نام روشن کیے رکھا۔چند سال پہلے حجاج بن یوسف کی جن آنکھوں نے عبداللہؓ بن زبیر کے ناحق قتل کو ڈھیٹ بن کر دیکھا اور ترس نہ کھایا اب وہی آنکھیں سندھ میں قید ایک مظلوم مسلمان لڑکی کا خط پڑھ کر اس کی مدد کے لیے بے چین تھیں۔

عراق کے حاکم حجاج بن یوسف ثقفی کا شمار ان مسلمان حکمرانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے منفرد کارنامے انجام دیئے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب یعنی زیر، زبر اور پیش وغیرہ لگا کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا اور غیر عرب مسلمانوں کو قرآن مجید پڑھنے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا' ان سے نجات دلا دی۔ حجاج بن یوسف اُصول کا اتنا سخت آدمی تھا کہ وہ کسی مجرم کو معاف کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

حجاج بن یوسف کے دربار میں ایک بوڑھی خاتون نے آ کر دہائی دی۔ اس بوڑھی خاتون کا اکلوتا جوان بیٹا بھی دیبل کے قیدیوں میں شامل تھا۔ جب وہ بوڑھی خاتون حجاج بن یوسف کے دربار میں فریاد کرنے کے لئے پہنچی تو وہ اس کی فریاد سُن کر اپنی نشست سے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''اے خاتون! آپ نے میری بہت بڑی اُلجھن دور کر دی ہے۔ مجھے کسی نامعلوم مقام سے کسی نامعلوم بے بس لڑکی نے پیغام بھیجا تھا کہ ہماری مدد کریں۔ مگر مقام کا نہیں بتایا تھا۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ جب سے میں نے وہ پیغام پڑھا ہے میرا دن کا سکون اور رات کی نیند ختم ہو چکی ہیں۔ مجھے اس فکر نے کھانے پینے سے روک رکھا ہے''۔ حجاج بن یوسف نے اُسی وقت اپنے خاص نمائندے کو تیز رفتار سواری کے ساتھ راجا داہر کے پاس بھیج دیا۔ نمائندے نے جب راجا داہر کے پاس جا کر قیدیوں کو آزاد کرنے اور مالی نقصان کی تلافی کا مطالبہ کیا تو اُس مکار راجا نے صاف انکار کر دیا اور کہا: ''اُن ڈاکوؤں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اُن ڈاکوؤں سے مقابلہ نہیں کر سکتا''۔ حجاج بن یوسف کے نمائندے نے راجا داہر کا جواب سُنا تو کہا: ''جس حکمران کو اپنی سلطنت میں پھیلنے والی برائی کو ختم کرنے کا

اختیار نہیں ہے اُس کو حکمرانی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے''۔ راجا داہر یہ بات سُن کر غصے میں آ گیا اور وہ حجاج بن یوسف کے ساتھ پورے عالمِ اسلام کو للکارنے لگا۔ حجاج بن یوسف کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اُس نے اپنا ذاتی خنجر اُٹھایا اور کمرے میں لٹکے ہوئے نقشے پر جہاں ہندوستان تھا اُس کے عین درمیان خنجر پیوست کر دیا۔ جو اس بات کا ثبوت تھا کہ حجاج بن یوسف نے اس علاقے کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور حجاج بن یوسف نے پورے جوش سے بلند آواز میں کہا: ''میں سندھ کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہوں۔''

حجاج نے اپنے تمام ہونہار اور قابل سالاروں میں سے ایک بہت کم عمر سالار کو منتخب کیا۔ جس کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ اس عظیم سپہ سالار کا نام محمد بن قاسم تھا۔ جو اُس کا بھتیجا اور داماد تھا۔ محمد بن قاسم 695ء میں پیدا ہوا۔ محمد بن قاسم میں کم عمری میں ہی عسکری صلاحیتوں کے جوہر نظر آ رہے تھے۔

جب حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو دیبل (موجودہ پورٹ قاسم) پر حملہ کرنے کے لئے سالار چُنا تو کئی تجربہ کار سالاروں نے حجاج بن یوسف کو اس فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے کو کہا مگر حجاج بن یوسف کی نظریں اس معرکے کے لیے محمد بن قاسم کا چناؤ کر چکی تھیں۔ بڑے کارنامے کے لیے پختہ عمر کا ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ مضبوط ارادے اور پکے جذبے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حجاج بن یوسف نے اپنے قابلِ فخر بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم سے کہا: ''محمد! تم آج ہی

دمشق روانہ ہو جاؤ۔ میرا یہ خط امیر المؤمنین خلیفہ ولید بن عبدالملک کو دکھانا اور وہ جتنی فوج تمہیں دیں وہ لے کر یہاں آجانا۔ میری بات یاد رکھو کہ واپس آنے میں دیر نہ کرنا۔ امیر المومنین ولید بن عبدالملک سندھ کے مظلوم عوام کا دکھ سن کر تمہیں سندھ روانہ ہونے کی اجازت دے دیں گے۔ میں نے تمہارے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ لادا ہے۔ دمشق سے واپسی پر اس سے بھی بھاری ذمہ داری سونپ سکتا ہوں۔''

محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کی طرف دیکھا اور ایک پر اعتماد احساس سے ان کو سلام کیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ سفر بہت لمبا تھا۔ اس لیے حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم سے کہا کہ جہاں اس کا گھوڑا تھک جائے۔ اس علاقے کی چوکی سے تازہ دم گھوڑا لے لے اور اپنا سفر جاری رکھے۔ یہ بھی تاکید کی کہ اپنے دوست زبیر کو بھی ساتھ لے لے۔ تاکہ دونوں مل کر دمشق میں خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک سے ملاقات کر لیں۔

کئی روز سفر کر کے محمد بن قاسم اور زبیر دمشق سے چند میل دور کے فاصلے پر ایک چھوٹی بستی سے باہر قائم چوکی پر رک گئے۔ محمد بن قاسم نے چوکی کے حاکم کو حجاج بن یوسف کا حکم نامہ دیا اور کہا: ''ہمیں دو عدد تازہ دم گھوڑے دے دیں۔ ہم نے دمشق پہنچنا ہے۔'' چوکی کے حاکم نے کہا'' آپ کچھ دیر آرام کر کے کھانا کھا لیں۔ کھانا بالکل تیار ہے۔ لیکن فی الحال آپ کو گھوڑے نہیں ملیں گے۔ کیونکہ آج ہمارے پاس صرف پانچ گھوڑے ہیں۔'' محمد بن قاسم نے حیران ہو کر کہا: ''مگر ہمیں تو صرف دو گھوڑے چاہئیں۔'' چوکی کے حاکم نے کہا: ''انہوں نے ان گھوڑوں کو امیر المؤمنین کے بھائی سلیمان بن عبدالملک نے لے کر جانا ہے۔ کیونکہ انہوں

نے اور ان کے چار ساتھیوں نے دمشق میں ہونے والی ہتھیاروں کی نمائش میں جانا ہے۔ وہاں جنگی ہتھیاروں سے لڑنے کا مقابلہ بھی ہوگا۔ اس لیے انہوں نے آج شام تک دمشق لازمی پہنچنا ہے۔ میں نہ تو حجاج بن یوسف کا حکم ماننے سے انکار کر رہا ہوں اور نہ ہی سلیمان بن عبدالملک کو ناراض کر رہا ہوں۔ آپ کو علم ہوگا کہ وہ بہت سخت مزاج کے ہیں۔"

محمد بن قاسم نے اس سے پوچھا: "وہ اس وقت کہاں ہیں؟ میں خود ان سے بات کرتا ہوں۔" چوکی کا حاکم بولا: "وہ اندر آرام کر رہے ہیں۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا کھالیا ہے اور تھوڑی دیر آرام کر کے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ اگر آپ کو بہت ضروری کام ہے اور جلدی بھی ہے تو آپ ان سے مل لیں اور اجازت لے لیں۔ دوپہر تک ان کے اپنے گھوڑے بھی تازہ دم ہو جائیں گے۔ میں آپ کو دو گھوڑے دینے سے انکار نہیں کر رہا مگر ان کو پانچ گھوڑے نہ ملے تو وہ مجھ سے سخت ناراض ہوں گے اور وہ ناراض ہو کر بہت جنونی ہو جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر چوکی کا حاکم محمد بن قاسم اور زبیر کے لیے کھانے کا انتظام کرنے چلا گیا۔

زبیر نے محمد بن قاسم سے کہا: "عالم اسلام میں شاید سلیمان بن عبدالملک سے زیادہ خود پسند اور مغرور کوئی نہیں ہوگا۔ اس لیے ہمیں اس سے کسی اچھے جواب کی امید نہ رکھنی چاہیے۔" محمد بن قاسم نے مسکرا کر زبیر سے کہا میں ان کی اجازت کے بغیر گھوڑے لے جا سکتا ہوں مگر ہمارے بعد چوکی کے محافظوں کی شامت آجائے گی۔ اس لیے ان سے ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" زبیر نے کہا: "جی! جیسا آپ بہتر سمجھیں کر لیں۔ تب تک میں اصطبل سے دو گھوڑے کھول کر لاتا ہوں۔"

محمد بن قاسم نے سلیمان بن عبدالملک کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر دیکھا۔سلیمان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔دو خادم اس کے پاؤں دبا رہے تھے اور ایک کاندھے دبا رہا تھا۔محمد بن قاسم نے اندر آ کر السلام علیکم کہا۔سلیمان بن عبدالملک نے نہایت لاپروائی سے وعلیکم السلام کہا اور پوچھا: ''تم کون ہو؟ یہاں کیا لینے آئے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

محمد بن قاسم نے کہا! ''میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کے آرام میں خلل ڈالا۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ میں ایک بہت اہم پیغام لے کر دمشق جا رہا ہوں۔'' سلیمان بن عبدالملک نے نہایت لاپروائی اور طنزیہ انداز میں کہا: ''تو جاؤ بابا! ہم نے کون سا تم کو پکڑ رکھا ہے؟'' اس کے ساتھ وہ ایک زوردار قہقہے سے ہنسا۔اس کے باقی ساتھیوں نے بھی زوردار قہقہے لگائے۔محمد بن قاسم نے اس کے رویئے کی طرف توجہ نہ دی اور کہا: ''ہمارے گھوڑے بہت تھک چکے ہیں اور اس چوکی سے ہمیں دو تازہ دم گھوڑے لے کر جانے ہیں۔اس کے لیے مجھے آپ کی اجازت لینے کی ضرورت تو نہیں مگر میں نے سوچا کہ ہمارے بعد آپ چوکی کے محافظوں کو برا بھلا نہ کہیں۔''

سلیمان بن عبدالملک نے کہا اگر تمہارے گھوڑے تھک چکے ہیں تو دمشق پیدل چلے جاؤ۔محمد بن قاسم نے نہایت پرعزم انداز میں کہا: ''ایک سپاہی کے لیے پیدل چلنا مشکل نہیں لیکن ہمیں دمشق میں بہت جلد پہنچنا ہے'' سلیمان نے پھر طنز کرتے ہوئے کہا: ''اچھا! تو تم سپاہی ہو مگر تمہاری نیام میں لکڑی کی تلوار ہے یا لوہے کی؟'' یہ سن کر باقی لوگ دوبارہ ہنسنے لگے۔

محمد بن قاسم نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا: ''اگر بازوؤں میں طاقت ہو تو لکڑی سے بھی لوہے جیسا کام لیا جا سکتا ہے، میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ میری نیام میں تلوار بھی لوہے کی ہے اور مجھے اپنے بازوؤں پر مکمل بھروسہ بھی ہے۔'' سلیمان بن عبدالملک یہ سن کر حیران ہو گیا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا: ''صالح! یہ لڑکا بہت باتیں کرتا ہے۔ ذرا اٹھو اور اس کے مقابلے میں آؤ۔ میں اس سپاہی کے جوہر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

ایک سانولے رنگ کا لمبا آدمی فوراً اٹھا اور تلوار تھام کر محمد بن قاسم کی طرف بڑھا۔ محمد بن قاسم نے کہا: ''میں راہ چلتے ہوئے سپاہیانہ صلاحیتیں دکھانے کا عادی نہیں ہوں اور نہ ہی میرے پاس فالتو وقت ہے۔ اگر میرے پاس اضافی وقت بھی ہوتا تو مجھے بے مقصد قہقہے لگانے والوں کی پروا نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر محمد بن قاسم کمرے سے باہر نکل آیا مگر صالح نے آگے بڑھ کر تلوار کی نوک اس کی طرف کرتے ہوئے اس کا راستہ روک لیا اور کہا: ''ارے بے وقوف! اگر تمہاری عمر کچھ زیادہ ہوتی تو میں تم کو بتاتا کہ بے مقصد قہقہے لگانے والا کس کو کہتے ہیں؟'' سلیمان بن عبدالملک نے صالح سے کہا: ''اس لڑکے کو جانے دو۔ اللہ جانے کہاں سے تلوار لے آیا ہے؟'' اتنی دیر میں زبیر گھوڑوں کی لگام تھام کر آتا ہوا نظر آیا تو سلیمان نے صالح سے کہا: ''کہ یہ کون ہے؟ جو گھوڑے لے کر جا رہا ہے؟'' صالح نے اس کی طرف دیکھا تو اتنی دیر میں محمد بن قاسم نے تلوار نیام سے باہر نکالی اور کہا: ''لگتا ہے دورِ جاہلیت کے لوگ آج بھی اس دنیا میں موجود ہیں تم ہمیں نہیں روک سکتے؟'' صالح نے اپنی تلوار کی نوک محمد بن قاسم کے سینے

کی طرف کی اور نہایت غصے سے چلایا اگر تمہاری زبان سے مزید کوئی لفظ نکلا تو میں اپنی تلوار کو تمہارے خون..........! ابھی یہ الفاظ صالح کی زبان پر تھے کہ فضا میں دو تلواروں کے ٹکرانے کی آواز گونجی اور چند لمحوں میں صالح کی تلوار دس بارہ قدم دور گری ہوئی تھی اور اس کے ساتھی حیران کھڑے تھے۔ محمد بن قاسم نے لگام پکڑی اور چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گھوڑے کا رخ موڑتے ہوئے سلیمان بن عبدالملک کی طرف دیکھا اور کہا: ''آپ کا یہ ساتھی بہادر تو ہے مگر تلوار پکڑنا نہیں جانتا۔ میری بات مانیں کہ ان ساتھیوں کو دمشق میں جنگی ہتھیاروں کی نمائش سے پہلے کسی سپاہی کے سپرد کر دیں۔'' یہ کہہ کر محمد بن قاسم نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور زبیر بھی اس کے ساتھ گھوڑے کو بھگا کر منٹوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

صالح شرمندگی سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے اصطبل کی طرف بھاگا لیکن سلیمان بن عبدالملک نے ہنستے ہوئے اسے روک لیا اور کہا: ''اب زیادہ بہادری نہ دکھاؤ۔ تم ان لڑکوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ لڑکا ہمارا مذاق اڑا کر بہت دور نکل گیا ہوگا۔'' محمد بن قاسم کی شخصیت سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ دین اسلام کا پکا پیروکار ہے۔

راستے میں زبیر نے محمد بن قاسم سے کہا: ''کیا آپ کو علم ہے کہ سلیمان بن عبدالملک خلافت کا امیدوار بھی ہے۔'' محمد بن قاسم نے کہا: ''اللہ کریم مسلمانوں کو ہر قسم کے شر سے ہمیشہ بچائے۔ آمین۔'' زبیر نے محمد بن قاسم کی بات سن کر ثم آمین کہا اور کہا: ''آج میں نے آپ کے چہرے کو پہلی دفعہ اتنے جلال میں دیکھا ہے۔ صالح کا مقابلہ کرنے کے لیے جب آپ نے تلوار نکالی تو مجھے آپ زیادہ عمر کے تجربہ کار سپاہی محسوس ہوئے تھے۔ آپ کو پتہ ہے

کہ یہ صالح کون تھا؟ یہ تلوارزنی کا بہت تجربہ کار کھلاڑی ہے۔ میں نے ڈیڑھ سال پہلے اس کو دیکھا تھا۔ اسے اپنی مہارت پر بہت غرور تھا مگر آپ نے تو اس کا سارا غرور مٹی میں ملا دیا۔"

محمد بن قاسم اس کی بات سن کر مسکرا دیا اور دمشق کی جانب تیزی سے بڑھنے لگا۔

دمشق پہنچ کر دونوں نے جامع مسجد میں نماز عصر ادا کی اور قصّر خلافت میں چلے گئے جہاں امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے ان کی آمد کی اطلاع پاتے ہی انہیں فوراً اندر آنے کا کہا۔ جب دونوں دربار میں پہنچے تو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے دونوں کو باری باری سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا: "تم دونوں میں سے محمد بن قاسم کس کا نام ہے؟" محمد بن قاسم نے نہایت ادب سے جواب دیا: "یا امیر المومنین! میرا نام محمد بن قاسم ہے۔ خلیفہ کے سوال کرنے کے بعد تمام درباریوں کی نظریں زبیر پر لگی ہوئی تھیں مگر محمد بن قاسم کا جواب سن کر وہ سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ سب کی نظروں میں حیرت اور زبان پر خاموشی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سب درباری ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ حجاج بن یوسف کے پہلے خط سے خلیفہ کو علم تو تھا کہ محمد بن قاسم بالکل نوجوان ہے۔ جس کی عمر بمشکل سترہ سال ہے۔ مگر تمام درباری زبیر کو ہی محمد بن قاسم سمجھ رہے تھے اس لڑکے کو قتیبہ کے لشکر کا سالار اعلیٰ ماننے کو تیار نہیں تھے۔

پھر سب لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے کے بعد خلیفہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیونکہ خلیفہ کو احساس ہو گیا تھا کہ تمام درباری خاندان خلافت کے محسن حجاج بن یوسف کے فیصلہ کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے زبیرؒ اور محمد بن قاسم کو بلایا اور اپنے انتہائی قریب

بٹھاتے ہوئے کہا: ”میں اس نوجوان مجاہد کو سلام پیش کرتا ہوں جس کے لیے حجاج بن یوسف جیسے زمانہ شناس کے خیالات بلند ہیں۔ میرے لیے بھی آپ قابل احترام ہیں۔“ پھر خلیفہ نے محمد بن قاسم سے پوچھا: ”یہ آپ کا بڑا بھائی لگتا ہے؟ محمد بن قاسم نے کہا: ”نہیں امیر المومنین! یہ میرے ساتھی زبیر ہیں۔“ ولید بن عبدالملک نے زبیر کی طرف دیکھا اور کہا: ”نوجوان! میں نے آج سے پہلے بھی تم کو کہیں دیکھا ہوا ہے؟ شاید تم سراندیپ کے ایلچی کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ تم وہاں سے کب آئے اور وہ بچے کہاں ہیں؟“

خلیفہ کو زبیر کی طرف متوجہ دیکھ کر درباری بھی زبیر کی طرف دیکھنے لگے اور اکثر نے اس کو پہچان بھی لیا۔ زبیر کو بے اعتماد دیکھ کر محمد بن قاسم نے جلدی سے حجاج بن یوسف کا خط خلیفہ کو پیش کرتے ہوئے کہا: ”یہ آپ کے لیے خاص پیغام ہے۔“ خلیفہ نے خط لے کر پڑھا اور تھوڑی دیر کے لیے سوچ کر کہا: ”سندھ کے راجا نے ہمارے جہاز کو لوٹ لیا ہے۔ سراندیپ جانے والی عورتوں اور بچوں کو قید بھی کر لیا ہے۔ زبیر تم سارا واقعہ خود دربار کو سناؤ؟“

زبیر نے شروع سے لے کر آخر تک سارا واقعہ دربار میں سنا دیا مگر درباری خاموشی سے بیٹھے رہے۔ جس کو دیکھ کر زبیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے جیب سے ایک خط نکالا اور خلیفہ کو پیش کرتے ہوئے کہا: ”یا امیر المؤمنین! ابوالحسن کی بیٹی نے یہ خط والیٔ بصرہ کو لکھا تھا۔ آپ بھی پڑھ لیں۔“

خط پڑھتے ہوئے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ بھی حجاج بن یوسف کی طرح بہت متاثر ہوئے۔ پھر انہوں نے درباریوں کو سنانے کے لیے اونچی آواز

میں دوبارہ خط پڑھا۔ وہ ہر لفظ اور ہر سطر ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہے تھے۔ ان کے احساسات کا اندازہ ان کی آواز سے لگ ہو رہا تھا۔ انہوں نے ابھی آدھا خط پڑھا تھا کہ ان کی آواز رندھ گئی اور وہ خاموش ہو گئے اور رومال سے اپنے آنسو صاف کرنے لگے۔ پھر انہوں نے محمد بن قاسم کو خط پکڑاتے ہوئے کہا: ''اس خط کو پڑھنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا۔ اب آگے سے تم پڑھ کر سناؤ۔'' محمد بن قاسم نے خط پڑھنا شروع کر دیا۔ درباریوں کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ تمام درباری خط سن کر اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے تھے مگر وہ سب امیر المؤمنین کی خاموشی کی وجہ سے خاموش بیٹھے تھے۔ مگر یہ خاموشی زیادہ دیر قائم نہ رہی اور شہر کا بوڑھا قاضی اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا: ''امیر المؤمنین! آپ کو کس بات کا انتظار ہے؟ یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ پانی ہمارے سر سے اوپر ہو چکا ہے۔ آپ نے بھی خط پڑھا اور سنا ہے اور ہم نے بھی۔ ہمارا دل بے قرار اور بے چین ہے۔ آپ کو کوئی بھی فیصلہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

خلیفہ نے بوڑھے قاضی کی طرف دیکھا اور کہا: ''میں آپ سب کی رائے کا منتظر تھا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ آپ کی کیا رائے ہے؟'' قاضی نے کہا: ''یا امیر المؤمنین! رائے اس وقت دی جاتی ہے جب دو راستے ہوں مگر اب ہمارے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ''جہاد کا راستہ'' اس لیے اس حوالے سے رائے لینے کی بجائے حکم دیں۔'' خلیفہ نے ہاتھ میں پکڑی تلوار پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا: ''میں آپ سب کی رائے پوچھنا چاہوں گا۔'' ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا: ''یا امیر المؤمنین! ہم سب آپ کے حکم پر عمل کریں گے۔ آپ یہ بات یاد رکھیں کہ ہم میں سے کوئی بھی اُلٹے پاؤں چلنا نہیں جانتا۔ ہم سب شہید یا غازی کا درجہ

حاصل کرنے کی خواہش مند ہیں۔'' خلیفہ نے کہا: ''آپ کی بات بالکل درست ہے مگر ہمارے پاس بہت کم فوج ہے۔ موسیٰ بن نصیر کا پیغام آچکا ہے کہ وہ اندلس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسری جانب ترکستان میں عراق کی ساری فوج کو قتیبہ اپنے لیے بہت کم سمجھتا ہے۔ اس لیے ہمیں کوئی نیا محاذ کھولنے سے پہلے سوچنا پڑے گا کہ ہم فی الحال صبر کریں یا ان کے محاذ کو کمزور کرلیں۔''

بوڑھے قاضی نے دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: ''امیر المومنین! اس خط کو سننے کے بعد ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ نہ کرے۔ اگر آپ کم فوج کا معاملہ عوام کے سامنے رکھیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ سندھ کی مہم کے لیے ہم کو افریقہ یا ترکستان سے افواج بلانے کی نوبت نہیں آئے گی۔'' خلیفہ نے بوڑھے قاضی کی بات سن کر کہا: ''اگر آپ عوام کو جہاد کے لیے راضی کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں تو میں ابھی اور اسی وقت سندھ کے لیے جہاد کا اعلان کرنے کو تیار ہوں۔'' قاضی نے خلیفہ کی بات سن کر اپنے باقی ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ خلیفہ نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے درباری بھی فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے تلوار کو لاٹھی کی طرح پکڑتے ہوئے کہا: ''میں اپنے عوام سے مایوس نہیں ہوں۔ مجھے صرف یہ شکایت ہے کہ ہمارے معززین جو رائے دے سکتے ہیں وہ سب خود پسند اور خود غرض ہو گئے ہیں آپ کو علم تو ہے کہ جب موسیٰ بن نصیر نے افریقہ کی طرف جانے کی اجازت چاہی اور میں نے اس کو اجازت دے دی تو اونچے طبقے کے لوگوں نے سخت مخالفت کی تھی۔ جب قتیبہ نے مرّو پر حملہ کیا تھا تو میرے اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک نے

صاف لفظوں میں سخت مخالفت کی تھی۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ بااثر لوگوں میں جو مخلص لوگ ہیں وہ کاہل اور آرام پسند ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ وہ لوگ گھروں میں بیٹھ کر روئے زمین پر غلبۂ اسلام کے لیے اپنی نیک دعاؤں کو کافی سمجھتے ہیں۔ اگر تمام معززین دربارِ عوام میں جائیں اور ان کو جہاد کا بتائیں تو میں نہیں سمجھتا کہ چند روز میں ایک ایسی فوج تیار نہ ہو جائے گی جو نہ صرف سندھ بلکہ پوری دنیا پر غلبہ اسلام کے لیے کافی ہو گی۔ آپ لوگ میری بات کا برا نہ مانیے گا۔ ایک یا دو دن عوام کو بلکہ اپنے جیسے بے عمل معززین کو یہ بات بتا کر خوشی محسوس کریں گے پھر سندھ کے راجا داہر کو برا بھلا کہہ کر بنی اسرائیل کی طرح دنیا اور آخرت کا سارا بوجھ اللہ کریم کے سپرد کر کے آرام سے بیٹھ جائیں گے۔ مگر ہم سب ہمت کریں تو مجھے یقین ہے کہ عالم اسلام ابھی پر جوش اور زندہ ہے۔ اگر تمام معززین تفریحی مجلس کی جگہ دمشق کے ہر گھر میں جائیں۔ عوام میں جانا' گفتگو کرنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا گوارہ کر لیں تو سندھ کے جو قیدی دیواروں کو کان لگائے بیٹھے ہیں وہ بہت جلد ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن لیں گے۔ اللہ کریم اس لڑکی کو صحت اور زندگی عطا فرمائے۔ وہ اپنی روشن آنکھوں سے خود دیکھے گی کہ ابھی ہماری تلواریں کند نہیں ہوئیں۔''

امیر المؤمنین نے پورے دربار کو ایک خاموش پیغام دے دیا تھا۔ محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر کہا: ''امیر المؤمنین! اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ ساری ذمہ داری لینے کو تیار ہوں۔'' خلیفہ نے مسکرا کر محمد بن قاسم کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''تم کو میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور دربار برخاست ہو گیا۔ دربار

میں موجود تمام معززین نے محمد بن قاسم کو گھیر لیا نئی فوج تیار کرنے میں تعاون کا یقین دلایا اور اس کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

محمد بن قاسم نے دمشق کے ہر محلے اور گلی میں جا کر سندھ کے جہاد کے لیے لوگوں کو بتایا۔ جس پر تمام لوگ جہاد پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ بچے، جوان اور بوڑھے سب محمد بن قاسم کی قیادت میں خود کو شامل کر رہے تھے۔ بوڑھے اور جوان اپنی تلواریں بلند کر کے اپنی حمایت کا یقین دلانے لگے۔ اتنے میں ایک دس سالہ بچہ ہجوم کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھا اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے قریب جا کر بولا: ''یا امیر المؤمنین! کیا مجھے بھی جہاد پر جانے کی اجازت ہے؟ مجھے علم نہیں تھا ورنہ میں بھی اپنی تلوار ساتھ لے کر آتا۔ میں بھی سندھ میں قید مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' پھر اس بچے نے تھوڑی دیر کے لیے کچھ سوچا اور کہا: ''آپ مجھے اجازت دیں تو میں ابھی بھاگ کر گھر جاتا ہوں اور اپنی تلوار لے آتا ہوں۔ آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دے دیں اور سندھ جانے والے لشکر کو بھی روک لیں تاکہ میں بھی اس میں شامل ہو سکوں۔'' خلیفہ نے بچے کی معصومیت اور جذبے کو دیکھ کر اس کے گالوں پر پیار کیا اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! ابھی تم یہیں رہو۔ کیونکہ جہاد پر جانے کے لیے تم کو ابھی چند سال مزید انتظار کرنا ہوگا۔'' بچہ خلیفہ کی بات سن کر پریشان ہو گیا۔ وہ دوڑتا ہوا محمد بن قاسم کے پاس چلا گیا۔ بچے کے چہرے پر بے چینی تھی جیسے وہ جہاد پر جانے کے لیے بے چین ہو۔ وہ جانے کی ضد کرنا چاہتا تھا مگر دونوں بڑی شخصیات کے احترام کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے بچے کی طرف مسکرا کر دیکھا اور ایک سپاہی کو کرسی اٹھا کر

لانے کا حکم دیا۔ جب سپاہی کرسی لے آیا تو انہوں نے اسے محمد بن قاسم کے قریب رکھنے کا اشارہ کیا۔ خلیفہ نے کرسی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور کہا: ''محمد بن قاسم کی تقریر کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تمہاری غیرت زندہ ہے۔ بے حسی تم سب سے بہت دور ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت سندھ کے خلاف جہاد کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سندھ جانے والے لشکر کی مدد فرمائے۔ آمین'' لوگوں کا ہجوم خلیفہ کی بات سن کر پر جوش ہو گیا اور فضا ''نعرۂ تکبیر' اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ خلیفہ نے لوگوں کو ہاتھ کا اشارہ کر کے خاموش کروایا اور کہا: ''میری خواہش ہے کہ ایک ہفتے کے اندر دمشق کی فوج بصرہ روانہ ہو جائے۔ اگر بصرہ میں محمد بن قاسم جیسے چند اور نوجوان موجود ہیں تو یقیناً کوفہ اور بصرہ سے بھی سپاہیوں کی کافی تعداد جمع ہو جائے گی۔ آپ میں سے جن کے پاس گھوڑے نہیں ہیں ان کو گھوڑے دیئے جائیں گے اور جن کے پاس اسلحہ نہیں ہے انہیں اسلحہ دیا جائے گا۔ میں ایک بہت اہم خبر بھی سنانا چاہوں گا۔ جس کا فیصلہ کرتے ہوئے مجھے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ میں محمد بن قاسم کو سندھ پر حملہ کرنے والے لشکر کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ میں نے اس نوجوان مجاہد کے لیے ''عماد الدین'' کا لقب چنا ہے۔ آپ سب مل کر اس کے لیے دعا کریں کہ یہ واقعی اسلام کے لیے ''عماد الدین'' (دین کا ستون) ثابت ہو آمین۔ مجمعے میں ایک بار پھر جوش اُمڈ آیا اور سب نے مل کر خلیفہ کے فیصلے کی بھرپور حمایت کر دی۔

رات کے آخری پہر محمد بن قاسم نیند سے بیدار ہوا اور دمشق کی جامع مسجد میں تہجد کی

نماز ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی عجز وانکسار اور سوز و گداز کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ ''اے رب العالمین! تو بہت رحیم و کریم ہے۔ تیری ذات سب سے اعلیٰ ہے۔ میرے کمزور کندھوں پر ایک بہت بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ میری مدد فرما۔ مجھے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ میرے ساتھیوں کو ان کے آباؤ اجداد کا عزم، جذبہ اور استقلال عطا فرما۔ حشر کے دن رسول کریم ﷺ پر فدا ہونے والوں کے سامنے ہمیں شرمسار نہ ہونے دینا۔ اے مالکِ دو جہاں! مجھے خالدؓ بن ولید اور مثنیٰؓ جیسا جذبہ عطا فرما۔ میری زندگی کا ہر لمحہ تیرے دین کی سربلندی اور سرفرازی میں گزرے۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما۔ تیرے نام پر مٹنے والے تیری رحمت کے طلبگار ہیں۔'' ان الفاظ کے ساتھ محمد بن قاسم کی آواز بھر آئی اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ کچھ دیر یہی کیفیت رہی۔ جب دل کو حوصلہ ہوا تو محمد بن قاسم نے دعا کے لیے اٹھے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لیے اور دیکھا کہ اس کے ساتھ صف میں ایک اور آدمی بھی ہے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا ہوا ہے۔ محمد بن قاسم نے اور اس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس آدمی کا سادہ لباس اور نورانی چہرہ مخصوص جاذبیت ظاہر کر رہا تھا۔ دونوں کی نظروں میں شناسائی کا انداز تھا۔ وہ آدمی اپنی جگہ سے ذرا سا کھسکا اور محمد بن قاسم کے انتہائی قریب ہو کر بیٹھ گیا اور نہایت محبت اور خلوص سے دیکھتے ہوئے بولا: ''کیا تمہارا نام محمد بن قاسم ہے؟'' محمد بن قاسم نے کہا: ''جی ہاں''۔ آدمی نے خوشی سے کہا: ''میرا نام عمر بن عبدالعزیزؒ ہے۔'' محمد بن قاسم کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ نہایت ادب سے بیٹھ گیا۔ محمد بن قاسم اس سے پہلے عمر بن عبدالعزیزؒ کی بزرگی اور پاکیزگی کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا اور اس

کی شدید خواہش تھی کہ وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے ملاقات کرے۔ محمد بن قاسم نے ان سے کہا: ''محترم! آپ میرے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔'' حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے نیک ارادے کو پورا فرمائے اور تمہاری مدد فرمائے۔ آمین''

محمد بن قاسم نے کہا: ''محترم! ایک لمبے عرصے سے میری خواہش تھی کہ میں آپ سے ملاقات کروں۔ آج اتفاقاً آپ سے ملاقات ہوگئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے تحفہ ہے۔ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔'' عمرؒ بن عبدالعزیز نے مسکرا کر کہا ''تمہارے جیسے بہادر اور ہونہار سپہ سالار کی قیادت میں انشاءاللہ دشمن کے خلاف تلوار کی مہم ختم ہو جائے گی مگر تم سندھ میں جہاد کا اصل جذبہ لے کر جا رہے ہو تو تم کو وہاں پر اپنے اخلاق، کردار اور نرم لہجے سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ تم سندھ کے لوگوں کو غلام بنانے نہیں بلکہ ان کو ظلم سے نجات دلا کر آزادی اور سلامتی کا راستہ بتانے آئے ہو۔ تم نے انہیں یہ بتانا ہے کہ اسلام میں قدم رکھنے والے ہر انسان غلامی سے آزاد ہے۔ تم جس علاقے میں جا رہے ہو وہاں کے لوگ آقا اور غلام، اونچی اور نیچی ذات کے قائل ہیں مگر تم نے اسلامی مساوات کا درست نقشہ پیش کر کے تمام انسانوں کو برابر درجہ دینا ہے۔ اس طرح تم ان کے دل بھی جیت لو گے۔ جو آج تمہارا دشمن ہوگا وہ کل تمہارے کردار کی وجہ سے تمہارا سب سے بہترین دوست بن جائیگا۔ جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔''

اتنی دیر میں فجر کی اذان ہونے لگی۔ دونوں نے فجر کی نماز ادا کی اور محمد بن قاسم نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے اجازت لی اور کہا: ''سندھ روانہ ہونے میں ہمیں پانچ چھ دن لگ سکتے ہیں۔

ان دنوں میں مجھے آپ کے علم وفضل سے فیض یاب ہونے کا موقع مل جائے تو میری خوش قسمتی ہوگی۔ مگر دن میں زیادہ وقت مجھے نئے سپاہیوں کو تربیت دینے میں گزارنا ہوگا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو رات کو مجھے تھوڑا وقت دے دیا کریں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محمد بن قاسم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ''جب بھی تمہارا دل چاہے میرے پاس آجانا خاص طور پر اس وقت مجھے تم یہاں مسجد میں پاؤ گے۔ ایک ہفتہ کے بعد میں نے مدینہ منورہ چلے جانا ہے۔''

محمد بن قاسم نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے اجازت لی اور مسجد سے باہر آگیا جہاں پر دمشق کے نوجوانوں کا ایک بڑا ہجوم تھا۔ وہ اس کے آگے پیچھے چلنے لگے۔ محمد بن قاسم نے نوجوانوں سے کہا: ''آپ سب لوگ میدان میں پہنچ جائیں۔ میں تھوڑی دیر تک آپ کے پاس آتا ہوں۔'' تمام نوجوان میدان کی طرف چل پڑے۔

یہ پانچ دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا اور دمشق میں نوجوانوں کا ایک بڑا لشکر تیار ہو چکا تھا۔ صبح نماز فجر پڑھنے کے بعد دمشق کے لوگ مکانوں کی چھتوں اور بازاروں میں کھڑے ہو کر محمد بن قاسم اور اسلامی لشکر کا جلوس دیکھ رہے تھے دنیا کی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک طویل سفر کے بعد جنگ کرنے والی فوج کی باگ ڈور ایک سترہ سالہ نوجوان کے ہاتھ میں تھی۔ دمشق سے بصرہ تک راستے میں ہر شہر ہر بستی سے کئی نوجوان، کم سن لڑکے اور بوڑھے بھی اس لشکر میں شریک ہو رہے تھے۔ کوفہ اور بصرہ میں محمد بن قاسم کے روانہ ہونے کی اطلاع پہنچ چکی تھی اور وہاں عورتیں بھی اپنے مردوں کو سندھ جانے والے لشکر میں شامل ہونے کا کہہ رہی

تھیں۔ بلکہ محمد بن قاسم کی بوڑھی والدہ بھی بصرہ کی بوڑھی عورتوں کے ساتھ مِل کر جہاد کی تبلیغ کر رہی تھیں۔ عورتوں نے اپنے قیمتی زیورات بیت المال میں جمع کروا دیے تا کہ اسلامی لشکر کے کام آسکیں۔ محمد بن قاسم نے بصرہ میں تین دن گزارے۔ ان دنوں میں بیت المال میں لاکھوں روپے اور زیورات جمع ہو گئے تھے۔ دمشق سے روانہ ہوتے وقت اسلامی لشکر میں پانچ ہزار سپاہی تھے مگر بصرہ پہنچنے تک یہ تعداد بارہ ہزار سے بڑھ گئی۔ جن میں چھ ہزار سپاہی گھڑ سوار، تین ہزار پیدل اور تین ہزار سامان رسد کے اونٹوں کے ساتھ تھے۔

محمد بن قاسم بصرہ سے شیراز اور وہاں سے مکران پہنچ گیا۔ مکران کی سرحد پار کر کے جب لسبیلا کا پہاڑی علاقہ شروع ہوا تو وہاں کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ بھیم سنگھ اپنی بیس ہزار فوج کے ساتھ لسبیلا کے سندھی گورنر کی مدد کے لیے پہنچ چکا تھا۔ اس نے وہاں ایک مضبوط قلعہ کو اپنا مرکز بنا کر تمام راستوں میں ماہر تیر اندازوں کو بٹھا دیا۔ جب اسلامی لشکر ان پہاڑی علاقے میں پہنچا تو بھیم سنگھ کے سپاہیوں نے حملے شروع کر دیے۔ تیس چالیس سپاہیوں کا گروہ کسی پہاڑی یا ٹیلے سے اچانک نکلتا اور اسلامی لشکر پر تیر برسا کر غائب ہو جاتا تھا۔ گھوڑوں پر سوار اسلامی سپاہی اِدھر اُدھر ہو کر خود کو بچا تو لیتے مگر اونٹ سوار ان حملوں سے شدید پریشان تھے۔ کیونکہ اونٹ بدک کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگ جاتے تھے۔ جن کو قابو کرنا بہت مشکل تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر محمد بن قاسم نے ہراول دستے کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ جس سے دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرنا آسان ہو گیا مگر چالاک دشمن پھر بھی اتنا شدید حملہ کرتا کہ اسلامی لشکر بوکھلا جاتا تھا۔

شام کو محمد بن قاسم نے اپنے تجربہ کار سالاروں کو بلایا اوران سے مشورہ چاہا۔ کچھ نے کہا کہ پہاڑی سلسلے کی بجائے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا جائے مگر محمد بن قاسم نے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ اس نے کہا کہ جب تک یہ علاقہ دشمن سے پاک نہیں ہو جاتا ہمارا آگے بڑھنا خطرناک ہے۔ ہمارا اصل مقصد دیبل پہنچنا نہیں بلکہ سندھ کو فتح کرنا ہے۔ جہاں پر مظلوم لوگوں کو راجا داہر کے ظلم سے نجات دلانی ہے۔ ایک سالار نے کہا: ''محترم! اگر اس مہم کے دوران آپ کو کوئی نقصان ہو گیا تو کیا ہو گا؟'' محمد بن قاسم نے کہا: ''قادسیہ کی لڑائی میں ایرانیوں کو اپنے بڑے لشکر کے باوجود اس لیے شکست ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے سپہ سالار رستم کو اپنی طاقت مانا ہوا تھا۔ جب رستم مارا گیا تو وہ مسلمانوں کے مُٹھی بھر لشکر کے مقابلے سے بھاگ گئے۔ مگر اس کے برعکس مسلمانوں کے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص زخمی حالت میں گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل نہیں تھے اور انہیں میدان سے الگ بیٹھنا پڑا مگر پورا لشکر خود اعتمادی سے سپہ سالار کی غیر موجودگی کا احساس کیے بغیر لڑ رہا تھا۔ ہم بادشاہوں اور سالاروں کے لیے نہیں لڑتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتے ہیں۔ بادشاہوں اور سالاروں پر بھروسہ کرنے والوں کو ہمیشہ ذلت ملی ہے مگر ہمارا ایمان اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ قرآن مجید ہمارا رہنما ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے قوم کے لیے رستم نہ بنائے بلکہ مجھے مثنیٰؓ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ جن کی شہادت نے ہر مسلمان کو جذبہ شہادت سے سرشار کر دیا تھا۔ آمین''

بھیم سنگھ کی فوج کے ساتھ اسلامی لشکر کا سامنا ہوا۔ دونوں طرف سے خوب حملے

ہوئے۔ اسلامی لشکر نے اپنے سپہ سالار کے حکم کے مطابق ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس دوران میں اسلامی لشکر کا بھی خاصا نقصان ہوا۔ آدھی رات تک محمد بن قاسم کے تھکے ہارے سپاہی زخمیوں کی مرہم پٹی اور شہیدوں کی تدفین میں مصروف رہے۔ ادھر میدان میں ہر طرف دشمن کے زخمی سپاہی خوب چیخ رہے تھے۔ شہداء کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد اسلامی لشکر کا نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم بھی کئی راتیں جاگنے، تھکاوٹ سے چور ہونے کی وجہ سے بے چین تھا۔ اس کے بازو دن بھر تلواروں اور نیزوں سے کھیلنے کے بعد شَل ہو چکے تھے مگر پھر بھی وہ اپنی تھکاوٹ کو بھول کر کمر پر پانی کا مشکیزہ لادے زخموں سے چُور دشمن کے سپاہیوں کو پانی پلا رہا تھا۔ دن کے وقت جن آنکھوں میں دشمن کو ختم کرنے کی چمک تھی وہی آنکھیں اس وقت زخمیوں کی حالت دیکھ کر آنسو بہا رہی تھیں۔ وہ ہاتھ جن میں پکڑی تلوار دشمن کے لیے موت کا پیغام تھی وہی ہاتھ اب دشمن کے زخموں پر مرہم لگا رہے تھے۔

اسلامی لشکر کے سپاہی بھی دن بھر کی لڑائی سے تھک چکے تھے۔ مگر وہ بھی اپنے سپہ سالار کا جذبہ دیکھ کر اس کی مدد کر رہے تھے۔ انہوں نے دشمن کے زخمی سپاہیوں کو کمر پر اٹھا کر قلعے کے اندر زمین پر لٹا دیا۔ محمد بن قاسم میدان میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھا کہ اس کو پہاڑی کے پیچھے سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً پہاڑی کی طرف بڑھا۔ اس کے چند قریبی دوست اور سالار بھی ساتھ تھے۔ جب انہوں نے مشعل کی روشنی آگے کی تو

دشمن کے مرے ہوئے سپاہیوں کے درمیان ایک زرہ پوش زخمی نوجوان دکھائی دیا۔ جس کی زرہ پر خون کے کئی نشان تھے۔ اس کے سینے میں ایک تیر اترا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار تو چھوٹ چکی تھی مگر وہ دوسرے ہاتھ میں سندھ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔

محمد بن قاسم نے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے زخمی کو اٹھ کر بیٹھنے میں مدد دی اور چند گھونٹ پانی پلایا۔ پانی پی کر نوجوان نے آنکھیں کھول دیں۔ زخموں سے اس کا بدن دکھ رہا تھا۔ زخمی نوجوان نے جب اسلامی لشکر کے سپاہیوں کو دیکھا تو سندھ کے جھنڈے کو مضبوطی سے تھام لیا۔ ایک سالار نے نوجوان کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا: ''اوہ! یہ تو بھیم سنگھ ہے۔'' بھیم سنگھ نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا: ''مسلمانو! تم کو فتح مبارک ہو۔'' محمد بن قاسم نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ بھیم سنگھ نے کیا کہا ہے؟

ساتھی نے عربی میں ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کہا ہے: ''آپ کو فتح مبارک ہو۔'' محمد بن قاسم نے بھیم سنگھ کو سہارا دیتے ہوئے کہا: ''میں حیران ہوں کہ سندھی فوج ایسے بہادر سپہ سالار کی موجودگی میں میدان سے بھاگ گئی۔'' پھر ایک سالار نے بھیم کو بیٹھنے کے لیے سہارا دیا اور محمد بن قاسم نے خود اس کی پسلی سے تیر باہر نکالا اور مرہم لگا دیا۔

قلعہ بہت چھوٹا تھا اس لیے فوج کے لیے جگہ کم پڑ گئی۔ محمد بن قاسم نے باقی سپاہیوں کو قلعے سے باہر پڑاؤ کرنے کا کہہ دیا اور اپنے زخمی سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے زخمی سپاہیوں کو خیموں میں جگہ دے دی۔ اس نے تمام جراحوں اور طبیبوں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کے زخمی

سپاہیوں کا خاص خیال رکھیں اور کوئی کوتاہی نہ کریں۔ چونکہ محمد بن قاسم خود بھی جراحی اور طب کا فن جانتا تھا اس لیے وہ خود بھی زخمیوں کے خیموں کا چکر لگا کر سب کی خیریت پوچھتا تھا۔ وہ دشمن کے سپاہیوں سے عربی میں بات کرتا تو اس کا ساتھی سندھی میں ترجمہ کر دیتا۔ اس پیغام میں وہ کہتا: ''آپ لوگ فکر نہ کریں۔ آپ سب بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔ آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ آپ ہماری قید میں ہیں بلکہ صحت مند ہونے کے بعد آپ لوگ جہاں جانا چاہیں چلے جانا۔'' دشمن کے زخمی سپاہی محمد بن قاسم کے رویے پر حیران تھے۔ وہ کہنے لگے: ''بھگوان کے لیے آپ خود آرام کریں۔'' مگر محمد بن قاسم کہتا کہ یہ اس کا فرض ہے جو وہ پورا کر رہا ہے۔

زخمیوں میں بھیم سنگھ محمد بن قاسم کی خاص توجہ کا مرکز تھا۔ وہ خود اس کے زخم صاف کرتا اور مرہم پٹی کرتا تھا۔ آخر انسانی تاریخ کا سب سے کم عمر سالار صحرا، سمندر اور جنگل پار کرتا ہوا اپنی منزل دیبل کے قریب پہنچ گیا۔

دیبل کا قلعہ بہت مضبوط اور بڑا تھا۔ راجا داہر کی فوج نے کھلے میدان کی بجائے قلعہ میں بند ہو کر مقابلہ کرنے کا سوچا۔ یوں راجا داہر کی فوج قلعے میں بند ہو کر مسلمانوں پر حملے کر رہی تھی اور مسلمان کھلے میدان میں اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ چونکہ راجا داہر کی فوج قلعے بند تھی اس لئے محمد بن قاسم کی فوج کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔

دیبل کا محاصرہ کیے ایک ہفتہ ہونے کو تھا۔ ان دنوں میں اسلامی لشکر کے کئی جوانوں نے قلعے کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی مگر راجا داہر کے سپاہی ان پر گرم تیل پھینک دیتے اور

مسلمان سپاہیوں کو مجبوراً وہاں سے دور ہٹنا پڑتا تھا۔ محمد بن قاسم نوجوانی میں بھی زبردست سوچ کا مالک تھا۔ وہ اسلامی لشکر کو مضبوط بنانے کے لیے بہت کارنامے دے چکا تھا۔ اس لیے وہ سندھی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے پتھر پھینکنے کی مشین (منجنیق) بھی لے کر آیا تھا۔ یہ بہت بڑی تھی۔ جس کو دیکھ کر ہی خوف آنے لگتا تھا۔ اس منجنیق کا نام ''عروس'' تھا۔ راستے میں پہاڑی علاقے کی وجہ سے اس کو سمندری راستے سے یہاں لایا گیا تھا۔ جب دیبل کے قلعہ کا محاصرہ کیے ایک ہفتہ ہو گیا تو اسلامی لشکر کے سپاہی عروس کو کھینچ کر میدان جنگ میں لے آئے۔ ان کے پاس اس کے علاوہ چھوٹی منجنیق بھی تھیں۔ جن سے پتھر پھینک کر انہوں نے قلعے کی دیوار کے کچھ حصے کمزور کر لیے تھے۔ سندھی سپاہیوں نے عروس کو دیکھا تو ان کے ہوش اڑ گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب یہ عجیب مشین بہت جلد قلعے کی دیوار کو توڑ دے گی۔ شام ہونے سے پہلے عروس کے ذریعے قلعہ کی مضبوط دیوار پر بھاری پتھر پھینکے گئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔

اگلے دن صبح سویرے محمد بن قاسم نے عروس کے ذریعے شہر پر سنگ باری شروع کر دی۔ شہر کے درمیان ایک بلند مندر تھا جس کے گنبد کی اونچائی چالیس فٹ سے زیادہ تھی۔ اس مندر میں تمام ہندو پوجا کرتے تھے۔ اس پر سرخ رنگ کا ایک جھنڈا لہراتا تھا۔ ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جب تک یہ جھنڈا لہراتا رہے گا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تمام دیوتا ان کی حفاظت کریں گے اور دشمن کی فوج کو ضرور شکست ہوگی۔ یہ جھنڈا باقی جھنڈوں سے زیادہ اونچا تھا۔ منجنیق کو استعمال کرنے میں محمد بن قاسم کو خاص مہارت حاصل تھی۔

جب محمد بن قاسم کو اس بات کا علم ہوا تو اُس نے عروس کا نشانہ خود اپنے ہاتھوں سے جھنڈے پر سیدھا کیا اور پتھر پھینک کر جھنڈے کو گرا دیا۔ جھنڈا گرنے سے ہندوؤں میں ہلچل مچ گئی۔ وہ قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ اب وہ مسلمانوں کو مارنے یا خود مرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

محمد بن قاسم نے ایک فیصلہ کن حملے کا حکم دیا اور اسلامی لشکر اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے قلعے کی سیڑھیوں، دیواروں اور دروازوں پر چڑھ گیا اور سپاہی چاروں طرف سے مضبوط صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ہندوؤں نے کئی زوردار حملے کیے مگر مسلمان سپاہیوں نے ان کے ہر حملے کا بھرپور جواب دیا اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ راجا کی فوج بد دل ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور اسلامی لشکر ایک ریلے کی طرح قلعے میں داخل ہو گئی۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی گونج میں راجا کی بچی کھچی فوج نے خوف کھا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے فجر کی نماز دیبل کے گورنر کے محل میں پڑھی اور سورج طلوع ہونے کے بعد وہ دیبل شہر میں آ گئے۔

دیبل کا حکمران راجا داہر بھی ایک بہت بڑے اور طاقتور ہاتھی پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آ گیا۔ محمد بن قاسم نے موقع پا کر راجا داہر کے ہاتھی کی سونڈ کاٹ دی۔ ہاتھی اس حملے سے بُری طرح بوکھلا گیا اور پاگلوں کی طرح اُچھلنے لگا۔ راجا داہر جو اپنے قلعے اور دربار میں شیر کی طرح گرجا کرتا تھا اب گیدڑ کی طرح میدان سے بھاگنے کی راہ تلاش کرنے لگا۔ مگر شیر دل محمد بن قاسم کے چند وار اُس کو ختم کرنے کے لیے کافی رہے۔ راجا داہر کی موت کے بعد ہندوؤں

کا زور ٹوٹ گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمان اپنے جرنیل محمد بن قاسم کی سربراہی میں فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے تو ہندو قوم ڈر رہی تھی کہ اب مسلمان اُن کے ساتھ نا معلوم کیسا سلوک کریں گے؟ مگر جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو محمد بن قاسم نے اعلان کر دیا: ''کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ کسی قسم کی کوئی لُوٹ مار نہیں ہو گی اور نہ ہی کسی کو قید کیا جائے گا۔ میرا کوئی سپاہی کسی مندر کی بے حُرمتی بھی نہیں کرے گا۔ سب لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔'' محمد بن قاسم کے اس حکم نے تمام لوگوں کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اسلامی لشکر کی آمد سے پہلے لوگ فکر مند تھے کہ اُنہیں شدید نقصان پہنچایا جائے گا مگر اُنہوں نے مسلمان جرنیل کا حکم سن کر خوشی کا اظہار کیا۔ تمام لوگوں نے خوشی سے اسلامی لشکر کا استقبال کیا۔ ہندوؤں کو عبادت کے لئے مکمل آزادی دی گئی۔ محمد بن قاسم نے اُن تمام عرب سوداگروں کو آزاد کر دیا۔ جن کو راجا داہر کے ڈاکوؤں نے لوٹ کر قید کر لیا تھا۔ تمام قیدیوں نے رہا ہو کر خوشی کا اظہار کیا اور محمد بن قاسم کو ڈھیروں دعائیں دیں۔ محمد بن قاسم نے ان سوداگروں کو لُوٹنے والے تمام ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے اُنہیں سخت سزائیں دیں۔

محمد بن قاسم کی آمد کے بعد سندھ میں رفتہ رفتہ دوسرے علاقوں میں بھی اسلامی لشکر کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور وہ کئی علاقے فتح کرتے چلے گئے۔ ان کامیابیوں کے باوجود مسلمان فوج کا رویہ وہی رہا جس کا حکم محمد بن قاسم نے دیا ہوا تھا۔ ان علاقوں کی رعایا مسلمان فوج کو حملہ آور سمجھنے کی بجائے اپنا نجات دہندہ اور دُکھوں کو دور کرنے والا سمجھنے لگ گئے۔ خاص طور پر اس عظیم نوجوان سپہ سالار نے جب ہندوؤں میں کسی بھی ذات پات اور اُونچ نیچ

کی تمیز کیے بغیر تمام انسانوں کو برابری کا حق دے دیا تو کم ذات والے ہندوؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ ہندو ہمیشہ سے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ اُنہوں نے خود کو اونچی ذات کے ہندوؤں کے برابر خود کو محسوس کیا تو اُن کی آنکھیں کُھل گئیں۔ اُنہوں نے اس مسلمان جرنیل کو نہایت عزت اور احترام سے دیکھنا شروع کر دیا۔

محمد بن قاسم نہایت نیک دل اور پکا مسلمان تھا۔ اُس نے شہر کے وسط میں ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کروائی۔ سندھ کے علاقے میں یہ پہلی مسجد تھی۔ اس علاقے کے لوگوں نے چھوٹے بڑے، امیر، غریب اور ہر طرح کے مسلمانوں کو اکٹھے ایک صف میں کھڑے دیکھا تو اُنہوں نے دین اسلام کو سب سے بہتر مذہب مان لیا۔ یہ مساوات کا عملی نمونہ تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں سچائی اور مساوات کی روشنی نے اُجالا کر دیا۔ جس سے وہ خوشی سے دین اسلام میں داخل ہونے لگ گئے۔ یوں سندھ میں اسلام کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں۔ پھر محمد بن قاسم نے وہاں سے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ سندھ کے مقامی لوگ اپنے محسن اور ہمدرد سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اُنہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس نے انہیں کسی بھی ذات پات کی تفریق سے پاک نظام دیا تھا وہ اس طرح چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ تمام لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور گلیوں، بازاروں میں آ کر محمد بن قاسم کی سواری سے لپٹ کر رونے لگ گئے۔ وہ اُسے واپس جانے سے روک رہے تھے۔ محمد بن قاسم کا اپنا دل بھی یہاں کے لوگوں کے جذبے سے بہت متاثر تھا۔ اُس نے تمام لوگوں کو سمجھایا کہ ''ایک انسان کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی

فرق نہیں پڑتا۔ میں تم لوگوں میں دین اسلام کا ایک ایسا نظام چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کا حکم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ تم اس نظام پر عمل کرتے رہنا کیونکہ یہی نظام تمہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔''

دیبل کے مرکزی شہر ارور کے لوگ جمع ہو کر محمد بن قاسم کو رخصت کر رہے تھے۔ عورتیں آگے بڑھ کر سپاہیوں کے گلے میں ہار ڈال رہی تھیں۔ مسلمانوں نے سندھ کے لوگوں کو زندگی کا ایسا رخ دے دیا تھا جس کے ذریعے ان کو انسانیت کا احساس ہو گیا تھا۔ ابھی محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس کو پچاس مسلح عرب آتے دکھائی دیئے۔ محمد بن قاسم اس وقت اپنے گھوڑے پر سوار لشکر کی صفوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے جب آنے والے عرب باشندوں کو دیکھا تو اس کو تعجب ہوا۔ کیونکہ آنے والے نہایت تیز رفتاری سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جب عرب باشندے محمد بن قاسم کے قریب پہنچ گئے تو اس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ وہ سالار بھی تھے جو چند روز پہلے بصرہ روانہ ہو گئے تھے۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر محمد بن قاسم کو ایک خط پیش کرتے ہوئے کہا: ''یہ امیر المؤمنین، سلیمان بن عبدالملک کا خط ہے۔'' محمد بن قاسم فوراً چونکا ''کیا.......... امیر.......... المؤمنین.......... سلیمان؟'' سوار نے جواب دیا ''جی ہاں! خلیفہ ولید بن عبدالملک وفات پا چکے ہیں۔ اب سلیمان بن عبدالملک مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔'' محمد بن قاسم کا دل یہ خبر سن کر دھڑکنا بھول گیا۔ مگر اس نے چہرے پر دل کی حالت ظاہر نہ کی۔ اس نے خط کھول کر پڑھا اور گردن جھکا کر کچھ دیر کے لیے سوچا اور بولا:

''مجھے سلیمان سے یہی امید تھی۔ یزید بن ابو کبشہ کون ہیں؟ ایک بوڑھے آدمی نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ''میرا نام یزید بن ابو کبشہ ہے۔''

محمد بن قاسم نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور گھوڑا آگے بڑھا کر یزید بن ابو کبشہ سے ہاتھ ملایا اور کہا: ''محترم! آپ کو اسلامی لشکر کی قیادت مبارک ہو۔ میں امیر المومنین کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہننے کے لیے حاضر ہوں۔ آپ کو خلیفہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کریں۔'' یزید بن ابو کبشہ اس موقع پر محمد بن قاسم کی مسکراہٹ دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے اسلامی لشکر کے سپاہیوں کی طرف دیکھا جو محمد بن قاسم کے حکم کے منتظر تھے پھر اس نے دیکھا کہ سالار لشکر جو ولید بن عبدالملک کی وفات اور سلیمان بن عبدالملک کی خلافت کا سن کر محمد بن قاسم کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اس وقت یزید بن ابو کبشہ نے محسوس کیا کہ وہ خود ایک لاکھ سے زائد سپاہیوں کے لشکر کا قائد نہیں بلکہ مجرم ہے اور ان کے اصل قائد کے سامنے مجرم کی طرح کھڑا ہے۔ محمد بن قاسم کے یہ الفاظ: ''میں امیر المومنین کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہننے کے لیے حاضر ہوں'' بار بار گونج رہے تھے۔ اس کی نظریں محمد بن قاسم کی نظروں کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھیں۔ اس نے کئی مرتبہ اپنی نظر اٹھانے کی کوشش کی مگر ان میں اتنی تاب نہیں تھی کہ وہ اٹھی رہتیں۔ آخر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سب کی گردنیں اور نظریں بھی جھکی ہوئیں تھیں۔ یزید بن ابو کبشہ کی زبان کچھ کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ آخر اس نے کہا: ''اے میرے دوست! قدرت نے یہ ذلت میرے نصیب میں لکھی ہوئی تھی۔'' محمد بن

قاسم نے اس کی بات ٹوکتے ہوئے کہا: ''نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ فقط ایلچی ہیں۔ آپ نے خلیفہ کا پیغام مجھے دیا ہے۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔''

شام کے وقت ارور کے ہر گلی کوچے میں غم اور غصہ سے شور مچا ہوا تھا۔ حجاج بن یوسف کے خاندان اور سلیمان بن عبدالملک کی دشمنی کی خبر سب کو مل چکی تھی۔ ہر گھر میں سندھ کے نئے گورنر کی آمد اور محمد بن قاسم کی واپسی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ شہر کے ہزاروں لوگ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے وہ سب شاہی محل کے باہر جمع تھے اور محمد بن قاسم کی واپسی کا فیصلہ واپس لینے کا کہہ رہے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد محمد بن قاسم کی فوج کے تمام بڑے عہدیداروں کو محل کے بڑے کمرے میں جمع کیا گیا اور محمد بن قاسم کو بھی شرکت پر مجبور کیا گیا۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے کہا: ''میں صبح دمشق روانہ ہو جاؤں گا۔ میں اپنے اس فیصلے پر عمل کروں گا۔ ایک مجاہد اور سپاہی کا سب سے پہلا اور بڑا فرض امیر کی بات ماننا ہے۔ آپ آج کے واقعہ سے پریشان مت ہوں بلکہ نئے حاکم کا بھرپور ساتھ دیں شاید امیر المؤمنین سلیمان یہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ میرے دل میں امیر کا حکم ماننے کا کتنا جذبہ ہے؟ میں اپنے امیر کا ہر فیصلہ قبول کرتا ہوں۔ دمشق میں وہ مجھ سے خفا تھے۔ اس وقت ان پر کوئی اہم ذمہ داری نہیں تھی۔ مگر اب ان پر عالم اسلام کی بھاری ذمہ داری آ گئی ہے اس لیے ان کے مزاج میں یقیناً تبدیلی آ چکی ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے ہندوستان کی طرف دوبارہ بھیج دیں۔ لیکن اگر ان کی مجھ سے غلط فہمی دور نہ ہوئی اور انہوں نے مجھے واپس نہ بھیجا تو بھی آپ سب پر یزید بن ابو کبشہ کی اطاعت فرض ہو گی۔''

سندھ کے سرداروں نے محمد بن قاسم سے کہا: ''ہمیں سلیمان کی بد نیتی کا علم ہے وہ آپ سے اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ ہم آپ کے ارشاد پر آگ میں کود سکتے ہیں مگر آپ کو ہمارے سامنے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے۔ یہ ہمیں قبول نہیں ہے۔ آپ کے ان ساتھیوں کے دل میں نئے خلیفہ کا احترام ہوگا مگر ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ ہم ایسے خلیفہ کا احترام نہیں کرتے جو سندھ کو ایک محسن سے محروم کر دے۔ ہم زندگی اور موت کا وعدہ آپ کے ساتھ کر چکے ہیں۔ آپ سندھ میں رہیں۔ اگر آپ کے عرب ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ بھی جائیں تو ہماری ایک لاکھ تلواریں آپ کے حق میں بلند ہوں گی۔ بھگوان کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ کر نہ جائیں۔'' ایک اور سردار نے کہا:

''آپ کم از کم اس وقت تک یہاں رہیں جب تک خلیفہ سلیمان کی نیت کا علم نہ ہو جائے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ یہاں کی ہزاروں لاوارث بیوائیں آپ کو سہارا، ہزاروں یتیم آپ کو اپنا سرپرست اور ہزاروں بوڑھے آپ کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ذرا باہر جھانک کر دیکھیں۔ وہ لوگ آپ کی روانگی کے خیال سے تڑپ رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر سندھی معزز کی آواز بھر گئی۔ وہ چہرے کو ہاتھوں میں لے کر سسکیاں بھرنے لگا۔

محمد بن قاسم نے کہا: ''میں اپنے ہر سپاہی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ میرا ہر سپاہی جذبے کے لحاظ سے محمد بن قاسم ہے۔ مجھے دربار خلافت کے حکم کو ہر حال میں ماننا ہے۔ آپ سب میرے اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کا وعدہ کر چکے ہو۔ اس لیے میں آپ سے کہتا ہوں کہ سندھ سے جاتے ہوئے مجھے دکھی نہ کرو۔ میں ایک مطمئن دل سے جانا چاہتا

ہو۔ یہاں پر اسلام قبول کرنے والے سب لوگ عظیم ہیں۔ اب سندھ کا مستقبل کسی محمد بن قاسم کا محتاج نہیں ہوگا۔ اب عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میری حالت کچھ ایسے مسافر جیسی ہے جس نے ایک طویل سفر کرنا ہو اور اسے آرام کی ضرورت ہو۔''

بھیم سنگھ جو محمد بن قاسم سے بہت متاثر تھا۔ اس نے فوراً کلمہ توحید پڑھا اور کہا: ''میں اگر اسلام کی خوبیوں کو دیکھنا چاہوں تو وہ آپ میں موجود ہیں۔ میرے نزدیک سچا مسلمان وہی ہے جو آپ جیسا مسلمان ہو۔'' محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر بھیم سنگھ کو گلے سے لگا لیا اور کہا: ''میرے بھائی! مسلمانوں میں تمہیں میرے جیسے ہزاروں انسان ملیں گے۔ پھر کمرے میں موجود سندھ کے مزید سرداروں نے بھی کلمہ توحید بلند آواز سے پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ سب نے مل کر عشاء کی نماز پڑھی۔

صبح کے وقت شاہی محل کا دروازہ کئی ہزار لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔ محمد بن قاسم جب دروازے سے باہر آیا تو لوگ ایک دم راستہ بنا کر دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ فوج کے بڑے عہدیداروں نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا جب بھیم سنگھ کی باری آئی تو وہ بے اختیار محمد بن قاسم سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ اس نے محمد بن قاسم سے کہا: ''میرے محسن! آپ نے میرا اسلامی نام تجویز نہیں کیا؟'' محمد بن قاسم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا: ''اگر تم کو پسند آئے تو اپنا نام سیف الدین رکھ لینا۔'' بھیم سنگھ نے اونچی آواز میں کہا: ''اے لوگو! سن لو میرا نام آج سے سیف الدین ہے تم گواہ رہنا کہ یہ نام مجھے محمد بن قاسم نے دیا ہے۔''

محل کی سیڑھیوں پر ایک سپاہی سفید گھوڑا لیے کھڑا تھا۔محمد بن قاسم سیڑھیاں اتر کر گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو یزید بن ابو کبشہ فوراً آگے بڑھا اور گھوڑے کی باگ تھام کر کھڑا ہو گیا۔محمد بن قاسم کے منع کرنے کے باوجود لوگ اس کی ٹانگوں اور پاؤں کو ہاتھ لگا کر چوم رہے تھے۔اس نے کئی مرتبہ ان کو ایسا کرنے سے روکا مگر جب اس کو پتہ چلا کہ یہ یہاں کی روایت ہے کہ کسی دیوتا نما انسان کو عزت دینی ہو تو ایسا کیا جاتا ہے تو وہ ان کی عقیدت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔محمد بن قاسم نے لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھا تو ہر آنکھ اشکبار تھی۔لوگ بے چین کھڑے تھے جیسے ان کا کوئی قریبی عزیز ان سے دور جا رہا ہے۔عورتیں حسرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔کہ ان کی عزت کا رکھوالا انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔بوڑھے اپنے آپ کو لاوارث محسوس کر رہے تھے۔لوگوں نے محمد بن قاسم کے راستے کو پھولوں سے بھر دیا تھا۔ارور کے بوڑھے بتا رہے تھے کہ انہوں نے یہ منظر کسی بادشاہ کی آمد پر بھی نہیں دیکھا تھا۔وہ جس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے وہی ان کا سچا ہمدرد بنا تھا۔

سیف الدین (بھیم سنگھ) اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا محمد بن قاسم کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''تم سب لوگ دیکھ لو کہ سندھ کا آفتاب آج دوپہر کے وقت غروب ہو رہا ہے۔یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نماز ظہر پڑھ کر جب عمر بن عبدالعزیزؒ باہر تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا ایک گھڑ سوار نہایت تیزی سے ان کے پاس آ کر رکا ہے۔گھڑ سوار کا

چہرہ گرد سے اٹا ہوا ہے۔ بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے چہرہ بھی مرجھایا ہوا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قریب جا کر اس سوار نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز نہ نکل سکی۔ آخر اس نے ہاتھ سے انہیں رکنے کا اشارہ کیا اور گھوڑے سے اتر کر ان کی طرف بڑھا مگر چند قدم چل کر وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ اتنی دیر میں گھوڑے نے بھی ایک جھرجھری لی اور نیچے گر کر مر گیا۔ لوگوں نے گھڑ سوار کو اٹھایا اور مسجد کے حجرے میں لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد جب گھڑ سوار کو ہوش آیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہے تھے۔ اس نے پانی دیکھا اور پیالہ کی طرف منہ کر کے جلدی جلدی پانی پینے لگا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! تھوڑی دیر صبر کر کے پانی پیو۔ تم بے ہوشی میں پہلے ہی بہت پانی پی چکے ہو۔ اب ذرا کچھ کھا بھی لو۔ میرے خیال میں تم بہت لمبا سفر طے کر کے آئے ہو؟ کیونکہ تمہارا گھوڑا یہاں پہنچتے ہی دم توڑ گیا تھا۔'' پھر عمر بن عبدالعزیزؒ نے خادم کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ مگر نوجوان نے کہا: ''مجھے پانی پلا دیں۔ مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی یوں لگا۔ جیسے اس کو کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے فوراً اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کہا: ''میں پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکا ہوں آپ کو یہ خط ....'' مگر اس کے آگے وہ کچھ نہ بول سکا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: ''نوجوان! میں نے تمہارا خط پڑھ لیا ہے۔ تمہارا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو میں سمجھ گیا کہ تم کہیں دور سے کوئی اہم پیغام لائے ہو۔ جب تم بے ہوش ہو گئے تو خط تمہاری جیب سے گر کر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ جس کو میں نے پڑھ لیا تھا۔''

نوجوان نے کہا: ''محترم! پھر آپ محمد بن قاسم کے لیے کچھ کریں ورنہ......'' انہوں نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ حوصلہ رکھو۔ میں خود ابھی اور اسی وقت دمشق جا رہا ہوں۔ میرا گھوڑا بالکل تیار ہے۔'' پھر انہوں نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور پوچھا'' کیا میرا گھوڑا تیار کر دیا ہے؟ خادم نے کہا: ''جی ہاں! آپ کا گھوڑا تیار ہے۔ آنے والے نوجوان نے کہا'' میرا نام زبیر ہے۔ کیا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟''

عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: ''نہیں بیٹا! تم آرام کرو۔ تم پہلے ہی سفر کی وجہ سے نڈھال ہو چکے ہو۔'' زبیر نے کہا: ''محترم! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے چہرے پر تھکاوٹ کے نہیں بلکہ میرے دل کی بے چینی کے آثار ہیں۔ اگر میں یہیں رہا تو انتظار کی زیادہ تکلیف ہوگی۔''

عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسکرا کر کہا: ''مجھے تمہاری گفتگو سن کر دلی خوشی ہوئی ہے۔ تم کھانا کھا لو پھر اکٹھے چلتے ہیں۔'' زبیر یہ سن کر خوش ہو گیا اس کا مرجھایا ہوا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔ اس نے جلدی جلدی چند نوالے منہ میں ڈالے اور خوب جی بھر کر پانی پیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا: ''محترم! میں روانہ ہونے کے لیے تیار ہوں۔'' عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک اور گھوڑا منگوایا اور زبیر سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے۔ زبیر نے کہا: ''محترم! میں کھڑا رہنا چاہوں گا۔ کیونکہ کھانا کھا کر بیٹھنے سے نیند اور تھکاوٹ کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ ایک خادم نے زبیر سے پوچھا: ''کیا آپ نے یہاں کا سفر کرتے ہوئے کہیں آرام نہیں کیا؟'''' زبیر نے کہا میں دن کے وقت مسلسل سفر کرتا تھا اور رات کو بھی اس وقت رکتا تھا جب میں بے ہوش ہو جاتا تھا میں جلد از جلد مدینہ منورہ پہنچنا چاہتا تھا۔'' عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا: ''اس سفر

کے دوران میں تم نے کتنے گھوڑے تبدیل کیے تھے؟ زبیر نے کہا: ارور سے بصرہ تک ہر چوکی سے تازہ دم گھوڑا مل جاتا تھا۔ مگر بصرہ سے آگے کا سفر وقت بچانے کے لیے میں نے سیدھا سفر کیا اور صحرائے عرب کو پار کرتے ہوئے مجھے اکثر ایک ہی گھوڑے پر کئی منزلیں طے کرنا پڑیں۔ اس گھوڑے سے پہلے میری سواری میں پانچ گھوڑے مر چکے ہیں۔''

عمر بن عبدالعزیزؒ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ''لوگ تو محمد بن قاسم کی فتوحات کے واقعات سن کر حیران ہوتے ہیں۔ حالانکہ جس سپہ سالار کے پاس تمہارے جیسے سپاہی ہوں اس کے لیے کوئی قلعہ یا علاقہ فتح کرنا مشکل نہیں۔'' اتنی دیر میں ایک خادم نے حاضر ہو کر کہا: ''گھوڑے بالکل تیار ہیں۔ آپ تشریف لے آئیں۔'' زبیر اور عمر بن عبدالعزیز حجرے سے باہر نکلے اور گھوڑوں کی طرف چل پڑے۔''

ادھر سلیمان بن عبدالملک کو محمد بن قاسم کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس کو یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ مکران اور ایران کے ہر شہر کے لوگ اس کا خوب استقبال کر رہے تھے اور یزید بن ابو کبشہ نے بغاوت کے خوف سے محمد بن قاسم کو بیڑیاں اور ہتھکڑیاں نہیں پہنائیں۔ سلیمان بن عبدالملک کے لیے یہ تمام خبریں نہایت تکلیف دہ تھیں۔ اس نے اپنے تمام تیروں میں سے سب سے زیادہ نوکیلا اور مضبوط تیر چنا اور صالح کو حوالے کر کے محمد بن قاسم کو ختم کرنے کا حکم دے کر بصرہ کی طرف بھیج دیا۔ صالح بھی محمد بن قاسم کا شدید دشمن تھا۔ وہ محمد بن قاسم کی فتوحات سے سخت نالاں تھا۔ بصرہ میں لوگوں کو جب محمد بن قاسم کی آمد کا علم ہوا تو وہ دیوانہ وار گلیوں میں نکل آئے۔ وہ آگے بڑھ کر محمد بن قاسم کی سواری کو چھو رہے تھے۔ صالح

نے جب بصرہ میں یہ حالات دیکھے تو اس نے تیر باہر نکالنے کی حماقت نہ کی اور خاموش رہا۔
بصرہ کے لوگ ایسے مرد مجاہد کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے چین تھے جس نے سترہ سال کی
عمر میں سندھ کی تاریخ بدل دی تھی۔ وہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھے جس نے خط لکھ
کر عالم اسلام کو ظالم راجا کی حکمرانی ختم کرنے کا کہا تھا۔ سب لوگ محمد بن قاسم کے ساتھ آنے
والوں کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق گلیوں میں کھڑے ہو گئے تھے۔

عشاء کی نماز پڑھ کر مالک محمد بن قاسم کے خیمے کے باہر پریشانی کی حالت میں ٹہل رہا
تھا۔ وہ ایک مضبوط ارادے کے ساتھ خیمے میں آ گیا تو دیکھا کہ محمد بن قاسم چٹائی پر بیٹھا کچھ لکھ
رہا ہے۔ مالک نے کہا ''آپ نے کسی کے نام کوئی خط لکھا ہے؟ اگر آپ حکم دیں تو میں یہ خط
خفیہ طور پر متعلقہ بندے کو پہنچانے کا انتظام کر دیتا ہوں۔'' محمد بن قاسم نے نظر اٹھا کر اس کی
طرف دیکھا اور چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا: نہیں' یہ خط نہیں ہے بلکہ میں ایک نئی قسم
کی جدید منجنیق کا نقشہ بنا رہا ہوں۔ جس کے ذریعے بڑے سے بڑا پتھر بہت زیادہ دور بھی
ٹھیک نشانے پر گرے گا۔ اس سے اسلامی لشکر کو ایک نئی قوت مل جائے گی۔'' مالک نے حیران
ہو کر کہا: ''اس موقع پر آپ کو اپنے متعلق سوچنا چاہیے جبکہ آپ اسلامی لشکر کی فکر کر رہے
ہیں۔'' محمد بن قاسم نے کہا: ''یاد رکھو! میں ایک فرد ہوں اور منجنیق ایک قوم کی اہم ضرورت ہے
اگر مجھے قید کر لیا گیا تو تم یہ نقشہ خود امیر المؤمنین کی خدمت میں پہنچا دینا۔'' مالک نے کہا: آپ
کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ آپ کو بصرہ نہیں بلکہ واسط لے جایا جائے گا محمد بن قاسم نے کہا
''میری قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ یہ عالم اسلام کی بدقسمتی ہے کہ اس کی خلافت کو ملکیت

میں بدل دیا گیا ہے۔‘‘ یہ کہہ کر محمد بن قاسم دوبارہ نقشہ بنانے میں مصروف ہوگیا اور مالک اس کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو وہ اپنی جان دے کر ایسے عظیم سپہ سالار کی نایاب زندگی کو بچالے۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مغرب کی نماز پڑھ کر جامع مسجد سے نکل کر قصرِ خلافت کی طرف جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ’’سلیمان! رک جاؤ‘‘ اس آواز میں غصہ اور حکم تھا۔ سلیمان نے فوراً مڑ کر پیچھے دیکھا اور کہا: ’’کون؟‘‘ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کوئی جواب دیئے بغیر اس کا بازو پکڑا اور جھنجھوڑ کر پوچھا: ’’نادان! اللہ کو کیا جواب دو گے؟‘‘ سلیمان بن عبدالملک نہایت خودغرض اور بے حس شخص تھا مگر وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی عظیم شخصیت کے سامنے کچھ نہیں تھا۔ وہ نہایت ادب سے بولا: ’’آپ نے جو بات کرنی ہے تنہائی میں کر لیں۔‘‘ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو کہا: ’’میں تو مسجد میں تمام لوگوں کے سامنے تمہارا دامن پکڑنے آیا تھا مگر جیسا تم کہتے ہو مجھے قبول ہے۔ جلدی اپنے کمرے میں چلو میں نے بہت ضروری بات کرنی ہے۔‘‘ پھر وہ تینوں محل کے ایک بڑے کمرے میں چلے گئے۔ سلیمان نے زبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ’’میں نے تم کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟‘‘ اس سے پہلے کہ زبیر کوئی جواب دیتا عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً کہا: ’’یہ ایسی فضول باتوں کا وقت نہیں۔ میں محمد بن قاسم کے متعلق تم سے بات کرنے آیا ہوں۔‘‘ سلیمان نے جب یہ سنا تو غصے سے سرخ ہوگیا اور کہا: ’’اچھا! تو محمد بن قاسم کی سازش مدینہ میں بھی پہنچ چکی ہے اور یہ اس کا قریبی دوست ہے۔‘‘ زبیر اس بات پر خاموش نہ رہ سکا اور بولا ’’میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ محمد بن قاسم نے کوئی سازش نہیں کی

اور میں اس وقت یزید بن ابو کبشہ کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔" اس بات کا جواب سلیمان دیتا مگر عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن ابو کبشہ کا خط اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: "کچھ بولنے سے پہلے یہ خط پڑھ لو۔ یزید تمہارے خاص دوستوں میں سے ہے۔ اگر محمد بن قاسم کی معصومیت اور بے قصوری اس کو خط لکھنے پر مجبور کر سکتی ہے تو میں تم کو مسلمانوں کی گردن پر وار نہیں کرنے دوں گا۔ تم کو یہ خوشی ہے کہ قدرت نے تم کو موقع دیا ہے کہ تم اپنے دشمن سے بدلہ لے سکو مگر تم اس نوجوان سپہ سالار کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جس کی ایک جان تمہارے کئی ساتھیوں سے زیادہ اہم ہے اس کی تلوار تمہاری تلوار سے کئی گنا تیز اور اس کے تیر تمہارے تیروں سے زیادہ نوکیلے ہونے کے باوجود وہ امیر کی اطاعت میں مجرم بن کر تمہارے پاس آرہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس کی ایک آواز پر سارا سندھ اس کا ساتھ دے سکتا تھا مگر اس نے تم جیسے انسان کو خلیفہ مانتے ہوئے تمہارا حکم مانا ہے۔ وہ چاہتا تو سندھ کا ہر گھر اس کے لیے قلعہ بن سکتا تھا مگر اس نے تمہارے احترام میں ایسا کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا جس سے تمہاری عظمت اور احترام میں فرق آ سکتا تھا۔ کیا تم اس لیے اس سے انتقام لینا چاہتے ہو کہ وہ حجاج بن یوسف کا داماد ہے؟ اور اس نے دمشق میں جاری فنونِ حرب کے مقابلے میں تم کو ذلت آمیز شکست دی تھی؟ کاش جس طرح اس نے بحیثیت ایک سپاہی تمہارا حکم مانا ہے تم بھی ایک امیر کی سوچ رکھتے ہوئے اپنا فرض سمجھو۔ اس کا لشکر ہندوستان کے آخری کونے تک اسلام کا پرچم لہرانے کا عزم کر چکا تھا۔ اگر تم اس کو واپس آنے کا حکم نہ دیتے تو آج ہندوستان کے آخری کونے پر اسلام کا جھنڈا لہرا چکا ہوتا۔" یہ کہہ کر عمر بن عبدالعزیزؒ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئے اور

پھر بولے: ”مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے صالح کو اس کی طرف بھیجا ہے اور نہایت سخت سزا بھی تجویز کر لی ہے؟ مگر یاد رکھو تم کسی قیمت پر اس عظیم سپہ سالار کی عظمت اس سے چھین نہیں سکتے۔ لوگ جلاد کی تلوار تو بھول سکتے ہیں مگر شہیدوں کا خون کبھی نہیں بھولتے۔ سلیمان! میں تم کو مزید سمجھاتا مگر اب وقت بہت کم ہے۔ محمد بن قاسم کی طرف بھیجا گیا تیر روک لو ورنہ آنے والے تاریخ دان تم کو اسلام کے سب سے بڑے دشمن اور محمد بن قاسم کو سب سے بڑے مجاہد کے نام سے یاد کریں گے۔“

عمر بن عبدالعزیزؒ کی باتیں سن کر سلیمان کا غصہ ندامت اور شرمندگی میں بدل چکا تھا۔ اس نے ایک غلام کو بلایا اور محمد بن قاسم کی معافی کا خط لکھ کر دے دیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے خط کو پڑھا اور زبیر کو پکڑاتے ہوئے کہا: ”نوجوان! میں یہ خط پہنچانے کا صحیح حقدار تم کو سمجھتا ہوں۔ تم تھکے تو ہوئے ہو مگر اس خط کو جلد از جلد پہنچانے کے جذبے سے تم کو تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ یہ خط لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ۔“ سلیمان نے راستے میں آنے والی تمام چوکیوں کے نام حکم نامے لکھ کر دیے اور زبیر اپنے گھوڑے کو فوراً دوڑاتے ہوئے روانہ ہو گیا۔ کئی میل کا سفر کر کے چوکیوں سے گھوڑے تبدیل کرتے ہوئے زبیر نے آخری چوکی سے گھوڑا تبدیل کیا' وہ چند میل مزید آگے بڑھا تو دیکھا کہ شہر کے مغربی دروازے سے لوگوں کا ہجوم ایک جنازے کو کندھا دیتے ہوئے آ رہا ہے۔ زبیر نے گھوڑا روک لیا اور نیچے اترا پھر چند نوجوانوں سے پوچھا: ”صالح کہاں ہوگا؟“ نوجوانوں نے حقارت سے دیکھتے ہوئے پوچھا: ”تم کون ہو؟ اس ظالم سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“ زبیر نے پرنم آنکھوں والے نوجوانوں سے کہا: ”میں دمشق

سے امیر المؤمنین کا ایک بہت اہم پیغام لایا ہوں۔'' ایک شخص نے غصے سے پوچھا: ''خلیفہ نے اب کس کے قتل کا حکم بھیجا ہے؟ زبیر نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے پوچھا: ''یہ جنازہ کس کا ہے؟'' نوجوان نے روتے ہوئے پوچھا: ''کیا تم نے فاتح سندھ کا نام سنا ہے؟'' یہ سن کر زبیر غش کھا کر زمین پر گر گیا۔ لوگ اس کو ہوش دلانے کے لیے آگے بڑھے۔ کچھ لوگ جنازے کی طرف بڑھے اور کہا: ''چلو جلدی کرو۔ عماد الدین محمد بن قاسم کا آخری دیدار کر لیں۔ اس مرد مجاہد کے جنازے کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کر لیں۔''

نماز جنازہ کے بعد لوگ محمد بن قاسم کی لحد پر مٹی ڈال رہے تھے تو شہر میں پچاس ساٹھ نوجوانوں کے ایک گروہ نے صالح کے گھر کا دروازہ توڑا اور اندر جا کر دین اسلام کے دشمن کو تلوار کے کئی وار کر کے ہلاک کر دیا۔

اسلام کا کم عمر سپہ سالار فاتح سندھ محمد بن قاسم خلیفہ کی طرف سے معافی کا حکم ملنے سے پہلے صالح کے ظلم وجود کا نشانہ بن چکا تھا۔ 715ء میں سندھ کا عظیم فاتح کئی دن کی قید کے بعد اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

نوعمر سپہ سالار نے دین اسلام کی سربلندی اور حقوق و مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا اُس کو ظالمانہ انداز میں ہلاک کر دیا گیا۔ محمد بن قاسم کے حُسنِ سلوک سے کئی غیر مسلم دین اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دین اسلامی میں تمام مذاہب کو ماننے والے افراد کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔

✪ ✪ ✪ ✪ ✪

طارق بن زیاد

سپین کا شہنشاہ ''راڈرک'' بہت ظالم اور خودغرض عیسائی حکمران تھا۔ جب اس کو حکمرانی ملی تو اس وقت اُس کی عمر اسّی سال تھی۔ جنگی لحاظ سے وہ بہت تجربہ کار اور ذہین آدمی تھا۔ عمر کے آخری دنوں میں بادشاہت ملنے کی وجہ سے وہ نہایت مغرور اور خودغرض ہو گیا تھا۔ سپین میں حکومت کے اپنے رسم و رواج تھے۔ جس کے آداب میں شامل تھا کہ گورنز' امیر' رئیس' شہر کے حاکم' مشیر اور ان جیسے اہم افراد اپنی اولاد کو جوان ہونے تک شاہی محل میں رکھتے تھے۔ جہاں شاہی آداب سکھائے جاتے تھے۔ لڑکے بادشاہ اور لڑکیاں ملکہ کی خدمت میں رہتی تھیں۔

ایک دن سپین کا ایک عیسائی سردار ''کاؤنٹ جولین'' افریقہ کے مسلمان گورنر موسیٰ بن نصیر کے دربار میں آیا اور روتے ہوئے التجا کی: ''اے مسلمانوں کے بہادر حاکم! میری مدد کرو۔ مجھے میرے بادشاہ نے برباد کر دیا ہے۔ وہ میری عزت کا دشمن ہو چکا ہے۔ براہِ مہربانی میری مدد کریں۔''

موسیٰ بن نصیر نے نہایت اطمینان سے کہا: ''جولین! تم اپنے حالات نہایت سکون سے بتاؤ۔ تمہاری ہر ممکن مدد کی جائے گی۔'' موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''اب تم ہماری پناہ میں ہو اور جو شخص ہماری پناہ میں آ جاتا ہے اس کی حفاظت کرنا

ہمیں خوب آتا ہے۔'' جولین نے فریاد کی: ''اے مسلمانوں کے گورنر! آپ فوراً سپین پر حملہ کردیں وہاں کے لوگ آپ کی دل سے مکمل حمایت کریں گے ان لوگوں کو ظالم حکمران سے نجات دلائیں۔''

موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین سے اصل بات پوچھی کہ راڈرک اتنا ظلم کیوں کرتا ہے اور تم کو اس سے کیا خوف ہے؟ جولین نے بتایا: ''چونکہ اس کے علاقے میں تمام عہدے دار اپنی اولاد کو شاہی محل میں بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ شاہی آداب سیکھیں۔ اس نے بتایا کہ میری بیٹی ''فلورنڈا'' نے شاہی محل میں پرورش پائی تھی۔ اصولی طور پر راڈرک کو اسے بیٹی سمجھنا چاہیے تھا مگر اس اسّی سالہ بوڑھے نے اس سے شادی کرنے کا اعلان کردیا ہے۔ میں اس طاقتور حکمران کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے میں نے ایک کامیاب چال چلی اور راڈرک کے دربار میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ میری بیوی اپنی بیٹی فلورنڈا کی جدائی میں سخت بیمار ہے۔ وہ مرنے سے پہلے اپنی بیٹی کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہے۔ ظالم راڈرک نے میری بات کا یقین کرلیا اور میری بیٹی کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ میں اپنی بیٹی کو اس ظالم بوڑھے حکمران سے چھڑا کر ایک محفوظ قلعے میں لے آیا ہوں۔ جہاں میری بیٹی نے اپنے اوپر ہونے والے تمام ظلم کی داستان سنائی ہے جس کو سن کر مجھے اس ظالم کا وجود اس زمین پر بوجھ لگنے لگا۔

میں اپنی بیٹی کے ساتھ ساتھ اس ظالم کا شکار ہونے والے تمام لوگوں کی مدد کرنے کی نیت سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اے مسلمانو کے بادشاہ! ہماری مدد کرو۔'' موسیٰ بن نصیر اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورہ کیے بغیر سپین پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ

اللہ تعالیٰ کی مظلوم مخلوق کو تنگ کرنے والے کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ اس لیے موسیٰ بن نصیر نے اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورہ کر کے دربار خلافت کی طرف ایک تیز رفتار قاصد بھیجا۔ تاکہ وہ جنگ کی اجازت لے کر فوراً واپس آ جائے۔

کاؤنٹ جولین نے موسیٰ بن نصیر کو یہ بھی یقین دہانی کروائی کہ اگر مسلمانوں نے سپین پر حملہ کیا تو وہ ''قلعہ سبطہ'' کی چابیاں مسلمانوں کو دے دے گا۔ قلعہ سبطہ بہت اہم قلعہ تھا۔ اس کو ''یورپ کی چابی'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اس کی دیواروں کو بھاری سے بھاری وزن بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین کو ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کروائی اور دربارِ خلافت میں روانہ کیے ہوئے قاصد کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت ولید بن عبدالملک مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔

موسیٰ بن نصیر نے اپنے خاص بندوں کو سپین کے حالات جاننے کے لیے بھی بھیجا تاکہ کاؤنٹ جولین کی باتوں کی سچائی معلوم ہو سکے۔ اگر سپین کے حالات واقعی بہت خراب ہیں تو پھر پوری تیاری کے ساتھ سپین پر حملہ کیا جانا چاہیے۔ اس طرح اسلام کو سپین تک پھیلایا جا سکتا ہے اور ظالم کے ظلم کا شکار مجبور لوگ بھی نجات پا لیں گے۔

سپین پر کئی سو سال تک کسی نے حملہ نہیں کیا تھا۔ سپین کے حکمران سمجھتے تھے کہ ان کے پاس ایسی طاقت ہے جس وجہ سے کوئی بھی ان پر حملہ کرنے کا سوچ نہیں سکتا۔ پھر وہاں کی آب و ہوا بھی کچھ ایسی تھی کہ غیر ملکیوں کو راس نہیں آتی تھی۔ اس لیے سپین پر حملہ کرنے کی کسی کو ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا سپین کے لوگ خود کو غیر ملکی حملے سے محفوظ سمجھتے تھے اور دفاعی

انتظامات پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر نے خلیفۂ اسلام کو سپین پر حملے کی اجازت دینے کی درخواست تو کر دی تھی مگر انہیں حالات سپین پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے کیونکہ سندھ میں راجا داہر نے مسلمانوں کو قید کر لیا تھا اور خلیفۂ اسلام کے لیے آنے والے تحائف سے بھرے بحری جہاز بھی لوٹ لیے تھے۔ راجا داہر سے مقابلہ کرنے کے لیے ان دنوں محمد بن قاسم کی سربراہی میں اسلامی فوج دمشق سے سندھ روانہ ہو چکی تھی۔ اس لیے موسیٰ بن نصیر کے دل میں خیال آیا کہ خلیفۂ اسلام سپین پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ مگر جب خلیفہ اسلام کو ساری صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے جواب دیا مظلوم کی حمایت کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ کاؤنٹ جولین نے ہم سے مدد طلب کی ہے۔ اس لیے اس کی مدد ضرور کی جائے۔"

خلیفۂ اسلام ولید بن عبدالملک نے اس مہم کے لیے موسیٰ بن نصیر کو فوجی مہم کا مکمل اختیار دے دیا۔ موسیٰ بن نصیر کی سوچ کے برعکس خلیفۂ اسلام کے جواب نے انہیں حیران کر دیا۔ اجازت ملتے ہی انہوں نے سپین پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ ہر سپاہی اس معرکہ پر جانے کے لیے تیار ہو گیا اور ان کا سینہ جوش سے بھر گیا۔ ہر سپاہی سپین کے خلاف لڑنے پر خوشی سے راضی ہو گیا۔ سب کا خیال تھا اس معرکہ کے لیے کوئی بڑا لشکر بھیجا جائے گا مگر سپین کے طاقتور بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف سات ہزار سپاہی بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ طاقتور اور اجنبی ملک کے مقابلہ میں صرف سات ہزار سپاہی بظاہر بہت کم تھے مگر موسیٰ بن نصیر نے یہ سات ہزار سپاہی ایسے چُنے تھے جو بہادری اور وفاداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اب سوال یہ

پیدا ہوا کہ سات ہزار سپاہیوں کی قیادت کسی کے ذمے آئے گی؟ اسلامی فوج میں سینکڑوں تجربہ کار اور دلیر سپہ سالار موجود تھے۔ جنہوں نے موسیٰ بن نصیر سے درخواست بھی کی کہ اس معرکہ میں انہیں بھیجا جائے۔ خود ان کا سگا بیٹا اس موقع پر سالاری کا امیدوار تھا۔ مگر موسیٰ بن نصیر نے اس موقع پر ایسا فیصلہ کیا جو تاریخ میں انوکھا فیصلہ تھا۔ انہوں نے سپین کو فتح کرنے کے لیے سات ہزار سپاہیوں کے لشکر کا قائد ایک ایسے شخص کو بنایا جو نومسلم بربر اور آزاد کردہ غلام تھا۔ وہ غلام خود اس فیصلہ پر حیران رہ گیا۔ اس خوش نصیب انسان کا نام ''طارق بن زیاد'' تھا۔ سب لوگ اس فیصلہ پر حیران تھے۔ کیونکہ موسیٰ بن نصیر نے اپنے سگے بیٹے پر اس نومسلم آزاد کردہ غلام کو ترجیح دی تھی۔ بے شک اسلام میں انسانی وقار کی یہ لاجواب مثال تھی۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کے نائب کا عہدہ مغیث رومی کو دیا جو عمر میں طارق بن زیاد سے بڑے اور خاندانی مسلمان تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ طارق بن زیاد کی نظر بہت بلند اور مستقل مزاج ہے۔ طارق بن زیاد نے سپہ سالاری ملنے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی ''اے مالکِ دو جہاں! مجھے ہمت اور توفیق عطا فرما۔ جو ذمے داری مجھے دی گئی ہے اس کو پورا کرنے کی ہمت دے۔'' آمین۔

طارق بن زیاد کو سپین پہنچنے کے لیے سمندر پار کرنا تھا۔ تمام سپاہی اپنے سپہ سالار کی قیادت میں سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ سپین کے ساحل پر جہاں لشکر نے پڑاؤ کیا اس پہاڑی کا نام ''جبل الطارق'' پڑ گیا جس کو انگریزی میں ''جبرالٹر'' کہتے ہیں۔ سپین کی طرف سفر کرنے سے پہلے طارق بن زیاد کو ایک مبارک خواب دکھائی دیا۔ جس

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپین کو فتح کرنے کی بشارت دی تھی۔ یہ 5 رجب 92 ھجری کا دن تھا۔ جب اسلامی فوج سپین کے ساحل پر اتری۔ اس وقت بحری جہاز نہیں ہوتے تھے صرف بحری کشتیاں ہوا کرتی تھیں جب اسلامی لشکر سپین کے ساحل پر اترا تو طارق بن زیاد نے ایمان افروز خطاب کیا اور کہا: ”ابھی وقت ہے! میں تم لوگوں کو اچھی طرح غور و فکر کرنے کا موقع دیتا ہوں۔ میں تم سب کو بتا دوں کہ یہ معمولی مہم نہیں ہے۔ ہم یہاں پر اجنبی ہیں۔ یہاں کے راستوں کا ہمیں علم نہیں ہے۔ ہر طرف مختلف مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ ہم تعداد میں بہت کم ہیں جبکہ عیسائیوں کے پاس بھاری جنگی سامان ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرتا۔ اچھی طرح سوچ لو اور فیصلہ کر لو۔ ابھی وقت ہے۔ تم میں سے جو واپس جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے۔“

اسلامی لشکر ایمانی جذبے سے بھرپور تھا۔ ارادے مضبوط تھے۔ طارق بن زیاد نے اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بلند دیکھا تو اس نے شجاعت اور حکمت عملی کی انمول مثال قائم کی۔ لشکر اسلامی کے سپہ سالار نے نہایت حوصلے سے حکم دیا کہ جن کشتیوں پر سوار ہو کر ہم یہاں آئے ہیں ان سب کو آگ لگا دی جائے۔ اسلامی لشکر نے اپنے سپہ سالار کے حکم پر کسی بھی قسم کا اعتراض نہ کیا اور فوراً تمام کشتیوں کو آگ لگا دی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام کشتیاں جل کر راکھ بن کر سمندر کے پانی میں ڈوب گئیں۔ طارق بن زیاد نے اپنے سپاہیوں کو واپس جانے کا موقع تو دیا تھا مگر تمام لوگ جہاد کے جذبے سے یہاں آئے تھے اس لیے انہوں نے واپس جانے کی بجائے لڑنے کو ترجیح دی۔ طارق بن زیاد نے اپنے سپاہیوں سے کہا: ”ہم اس اجنبی سرزمین پر فتح کا مقصد لے کر آئے ہیں۔ ہمیں فتح ضرور حاصل ہوگی۔ ہمیں کسی بھی موقع پر

حوصلہ نہیں ہارنا بلکہ ان ظالم عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ جنہوں نے انسانیت پر ظلم کی انتہا کردی ہے۔ مظلوموں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ انشاء اللہ یہاں فتح حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ ہم نے واپسی کے تمام راستے اور ذریعے بند کردیئے ہیں۔'' اپنے سپہ سالار کا خطاب سن کر اسلامی لشکر کے سپاہیوں کو ایک نیا ولولہ اور جذبہ ملا۔

کشتیاں جلانے کا فیصلہ طارق بن زیاد کی شجاعت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ ان کی ذہانت کا بھی ثبوت تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے لشکر کی تعداد بہت کم ہے کہیں وہ عیسائی فوج کی بھاری تعداد دیکھ کر گھبرا نہ جائیں اس لیے انہوں نے واپسی کے لیے کوئی راستہ نہ چھوڑا تاکہ شہادت کا جذبہ لے کر آنے والے سپاہی اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہوسکیں۔ پھر طارق بن زیاد کو وہ خواب بھی یاد تھا جس میں رسول اکرم ﷺ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ سپین کی فتح ضرور ہوگی۔ اس لیے ان کے دل میں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ پرامید تھے پھر اسلامی لشکر کا ہر سپاہی یہ جان چکا تھا کہ ہم نے سپین کو ہر حال میں فتح کرنا ہے۔ اب ہمارا ایک ہی مقصد ہے ''فتح یا شہادت۔''

ابھی طارق بن زیاد ارد گرد کے ماحول اور خوبصورت منظر کو دیکھ رہا تھا جس سے اسلامی لشکر کے دلوں میں اس خطے کی خوبصورتی بس چکی تھی۔ اسلامی لشکر پہاڑوں کے دامن میں اترنے لگا تو ایک آدمی زرد رنگ کا ریشمی لباس پہنے ان کے سامنے آ گیا اس کا چہرہ بے چینی پریشانی کی وجہ سے مرجھایا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر اسلامی لشکر کے سالارِ اعظم طارق بن زیاد چلتے چلتے رک گئے۔ انھوں نے اپنے قریبی ساتھی اور مشیر مغیث الرومی جو عیسائی سے مسلمان ہو

چکا تھا' سے کہا "یہ آدمی عیسائی لگتا ہے؟" مغیث الرومی نے آنے والے آدمی کو غور سے دیکھا اور "ہاں" کا اشارہ کر دیا۔ طارق بن زیاد نے اس سے کہا کہ وہ آدمی کے پاس جائے اور اس کے آنے کا مقصد پوچھے۔ مغیث الرومی آنے والے شخص کی جانب بڑھا اور اس سے تھوڑی دیر بات چیت کر کے اس کو اپنے ساتھ لے کر اپنے سالار اعظم کے پاس آیا۔ طارق نے سوالیہ نظروں سے اس آدمی کی طرف دیکھا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "میں ایک درخواست لایا ہوں۔ اگر آپ میری مدد کریں تو آپ کا مجھ سمیت پوری انسانیت پر احسان ہوگا۔"

طارق بن زیاد نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا: "اپنی ساری بات کھل کر بتاؤ کیونکہ مظلوموں کی مدد ہی کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔" آنے والے آدمی نے اپنا نام "امامن" بتایا اور نہایت غم ناک آواز میں کہا: "میں عیسائی ہوں۔ ہمارے ظالم بادشاہ راڈرک کے ساتھیوں نے میری ساری دولت چھین لی ہے۔ انہوں نے میری دولت لوٹنے کے بعد میری اکلوتی بیٹی کو بھی اغوا کر لیا ہے۔" یہ کہہ کر امامن کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ طارق بن زیاد اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر امامن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "امامن! تم غم مت کرو۔ ہم تمہاری بیٹی کو ظالموں سے ضرور آزاد کروائیں گے۔ مگر اس سے پہلے مجھے اپنے بادشاہ راڈرک کے کردار اور رویئے کے متعلق کچھ بتاؤ۔" امامن نے طارق بن زیاد کی تسلی آمیز گفتگو سن کر کہا: "اے نیک مسلمان! جب سے اس ظالم بوڑھے نے اس ملک کی بادشاہت سنبھالی ہے تب سے کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں رہی۔ اس نے ظلم و ستم کا بازار سجا رکھا ہے۔ وہ جوان لڑکیوں کو اغوا کرواتا ہے۔"

طارق بن زیاد نے امامن کی بات سنی اور بولا: ''راڈرک کی عمر کتنی ہے؟''۔امامن نے کہا''اسّی سال کے قریب کا ہوگا۔قبر میں ٹانگیں ہیں مگر ظلم کی انتہا کر رہا ہے۔'' طارق بن زیاد نے امامن کی پوری بات سنی اور کچھ سوچتے ہوئے بولا: ''کیا تمہاری بیٹی کو راڈرک کے ساتھی ورغلا کر لے گئے ہیں یا اس کو زبردستی لے گئے ہیں؟'' امامن نے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا: ''اے نیک دل سپاہی! میری معصوم بیٹی مجھے پکارتی رہی مگر وہ غنڈے اس کو زبردستی ساتھ لے گئے۔ میں نے اپنی بیٹی کو ان کے چنگل سے چھڑوانے کی کوشش کی تو انہوں نے مجھے اس زور سے دھکا دیا کہ میں دیوار سے جاٹکرایا اور گر کر بے ہوش ہوگیا۔ان ظالموں نے میرے گھر میں سارا مال لوٹ لیا اور میری بیٹی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ مجھے اپنی بیٹی کی فکر کھائے جارہی ہے۔ میں اس غم میں ذہنی توازن کھو رہا ہوں۔آپ کو اپنے پیاروں کا واسطہ میری ضرور مدد کریں۔'' یہ کہہ کر امامن زور سے رونے لگا۔ طارق بن زیاد نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور تسلی دیتے ہوئے کہا: ''انشاءاللہ! بہت جلد تمہاری بیٹی تمہیں مل جائے گی؟ امامن نے یہ الفاظ سنے تو چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا:

''حضور! میں اُس دن جب بے ہوش ہوگیا تو مجھے خواب میں ایک بزرگ نظر آئے تھے جن کی سفید داڑھی تھی۔اُنہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا: ''تم غم نہ کرو۔تمہاری معصوم بیٹی کو آزاد کروانے والے اب تمہارے ملک میں آچکے ہیں تم صبر کرو وہ بہت جلد تمہاری مدد کریں گے۔'' میں نے خوشی سے ان بزرگ کے پاؤں پکڑ لیے اور درخواست کی کہ مجھے میرے محسن انسان کا حلیہ بتا دیں تا کہ میں پہچان لوں۔'' اُنہوں نے کہا کہ اُن نیک انسانوں کے سر پر

پگڑیاں (عمامہ) اور چہرے پر داڑھی ہوگی۔ انہوں نے لمبا لباس پہنا ہوگا انہیں مسلمان کہتے ہیں۔ پھر انہوں نے میری فرمائش پر اس مقام کا پتہ بھی سمجھایا تھا جہاں پر آپ لوگ اس وقت کھڑے ہیں ان بزرگ نے جو حلیہ مجھے بتایا تھا وہ ہو بہو آپ سب کا ہے۔'' یہ کہہ کر امامن ہاتھ جوڑ کر طارق بن زیاد کے قدموں میں گر گیا اور کہا: ''اے مسلمان سپاہی! میری مدد کریں ورنہ وہ ظالم میری آنکھوں کی ٹھنڈک میری بیٹی کو پتہ نہیں کہاں لے جائیں گے۔''

طارق بن زیاد نے امامن کو بازوؤں سے پکڑ کر اپنے قدموں سے اٹھایا اور پوچھا: ''تمہاری بیٹی کا نام کیا ہے؟'' امامن نے کہا ''بلقیس۔'' طارق بن زید نے مسکراتے ہوئے کہا: ''یہ تو حضرت سلیمان علیہ اسلام کی بیوی کا نام تھا۔ تم لوگ تو ایسے نام نہیں رکھتے؟ پھر تم نے کس طرح یہ نام اپنی بیٹی کے لیے چنا ہے؟'' امامن نے طارق بن زیاد کا شیریں لہجہ دیکھ کر کہا: ''یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ بلقیس ایک خوبصورت خاتون تھی۔ میری بیٹی بھی بہت خوبصورت ہے۔ اس لیے میں نے اپنی بیٹی کا نام بلقیس رکھا ہے۔'' طارق بن زیاد نے نرم لہجے سے کہا: ''کیا تم کو علم ہے کہ بلقیس کو کہاں لے جایا گیا ہوگا؟'' امامن نے کہا ''مجھے ایک عیسائی سوار ملا تھا۔ جو اتفاق سے ان سپاہیوں میں سے ایک تھا جو میری بیٹی کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ اس نے میرے پوچھنے پر بتایا تھا کہ میری بیٹی کو ظالم باشاہ راڈرک کی فوج کے سپہ سالار جس کا نام ''تدمیر'' تھا، اس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔'' طارق بن زیاد نے تلوار پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا: ''تدمیر اس وقت کہاں ہوگا؟'' امامن نے مسلمان سپہ سالار کا عزم اور جذبہ دیکھا تو کہا: ''وہ یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر اپنے سپاہیوں کے ساتھ رکا ہوا ہے؟''

طارق بن زیاد نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا: ''میرے خیال میں آج ہم یہاں رک جاتے ہیں اور صبح سویرے نماز پڑھ کر تدمیر کے لشکر پر حملہ کر کے اس مظلوم کو انصاف دلاتے ہیں اور اس کی اغوا شدہ بیٹی کو رہا کروا کر اس کے حوالے کریں گے۔'' اپنے سپہ سالار کی بات سن کر تمام مسلمان فوجی افسروں نے بھی اس تجویز کو مان لیا۔ پھر اسلامی لشکر نے ساحل پر رات گزاری۔ مسلمان لشکر اپنے ساتھ خیمے نہیں لایا تھا' اس لیے کھلے آسمان تلے سونے سے پہلے سپاہیوں نے کھانا تیار کیا جو پوری فوج کو اکٹھے پیش کیا۔ امامن بھی ان سپاہیوں میں بیٹھا کھانا کھاتے ہوئے حیران تھا کہ یہ کیسی قوم ہے؟ جس کے بادشاہ اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ سب لوگ ایک دستر خوان پر مل کر کھانا کھا رہے تھے۔ تہجد اور فجر کی نماز باجماعت پڑھتے دیکھ کر امامن کو مسلمانوں کا رات کو جاگ کر عبادت کرنا اور مل کر نماز پڑھنا بہت اچھا لگا تھا۔ اکٹھے رات گزارنے کے بعد اس کو اس بات کی بہت خوشی ہوئی کہ تمام مسلمان اپنی رات کا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں اور فضول بات چیت نہیں کرتے تھے۔ جو برائیاں دوسرے مذاہب میں تھیں ان کا نام ونشان ان میں کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر سب سپاہیوں نے کھجوروں کا ناشتہ کیا اور اپنے سالار کا حکم ملتے ہی اسلامی لشکر تدمیر سے امامن کی بیٹی کو آزاد کروانے کے لیے چل پڑا۔

تدمیر واقعی پانچ میل کے فاصلے پر موجود تھا' اور وہ کسی بھی حملہ سے بے خبر اپنی مستی میں مگن تھا۔

تدمیر کا شمار سپین کی فوج کے تجربہ کار اور مشہور جرنیلوں میں ہوتا تھا۔ جس نے کئی جنگوں

میں اپنی بہادری اور ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔اس کو اسلامی لشکر کی آمد کا علم بھی ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے جنگی حکمت عملی اپناتے ہوئے فوراً اسلامی لشکر پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا اور مسلمان فوجی ابھی ٹھیک طرح سے منظّم نہیں ہو پائے تھے کہ ان پر اچانک حملہ کردیا گیا مگر انھوں نے نہایت دلیری اور جذبہ ایمانی سے تدمیر کی فوج کا مقابلہ کیا۔ہسپانوی فوج کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔ہسپانوی فوج کی بھاری تعداد گھڑ سواروں کی تھی جبکہ مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا۔وہ سب پیدل تھے۔تدمیر کا ہر سپاہی لوہے کا جنگی لباس پہنے ہوا تھا اور وہ سب جنگی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ادھر اسلامی لشکر کے پاس جنگی لباس تو کیا پورے ہتھیار بھی نہیں تھے مگر ان کے دل میں جہاد کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔شہادت کے شوق میں وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔جب دشمن ان کے سامنے آیا تو یہ شوق مزید بڑھ گیا۔

ہسپانوی فوج کے سالار کے حکم پر طبلِ جنگ بجایا گیا تو ان میں بھی ایک جوش آ گیا مگر اس طبلِ جنگ کے جواب میں اسلامی لشکر نے ایک زبان ہوکر ''نعرہ تکبیر، اللہ اکبر'' کے نعرے لگائے تو ہسپین کی زمین گونج اٹھی۔عیسائی جرنیل تدمیر نے بہت حقارت اور طنزیہ نظروں سے اسلامی لشکر کو دیکھا جو پیدل اور کم ہتھیاروں کے ساتھ اس کی بڑی فوج کے مقابلے پر کھڑا تھا۔ تدمیر نے سوچا کہ اس لشکر کو ختم کرنا تو بہت آسان ہے۔کیونکہ میری فوج اس چھوٹی سی فوج کو اپنے گھوڑوں تلے روند کر رکھ دے گی۔ان کی لاشوں سے میدان بھر جائے گا۔مگر تدمیر کی تمام تدبیریں بہت جلد غلط ثابت ہو گئیں۔جب مسلمان تیر انداز اور نیزہ باز سپاہیوں نے ہسپانوی فوج کے گھوڑوں اور سپاہیوں کو نشانہ بنالیا۔وہ پھرتی سے ان گھڑ سواروں کو زمین پر گراتے اور

ان کے زخمی فوجیوں کو ان کے اپنے زخمی گھوڑے روندنے لگے۔ اسلامی لشکر نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ دشمن کے قدم بری طرح اکھڑ گئے تھے۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار طارق بن زیاد نہایت دلیری اور بے خوفی سے دشمن کی فوج میں گھس جاتے اور راستے میں آنے والے ہر دشمن کو تلوار کے وار سے ہلاک کر دیتے۔ دشمن نے کئی مرتبہ انہیں گھیرے میں لیا مگر وہ پھرتی سے ان کے نرغے سے نکل آتے اور دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔

جب طارق بن زیاد اور اسلامی لشکر نہایت جانبازی سے لڑتے ہوئے عیسائی جرنیل تدمیر تک پہنچ گئے۔ تو وہ تدمیر جو جنگ سے پہلے اسلامی لشکر کو حقیر جان کر خوش ہو رہا تھا وہی اب اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گیا۔ جب ہسپانوی سپاہیوں نے اپنے جرنیل کو میدان سے بھاگتے دیکھا تو انہوں نے بھی میدان چھوڑ دیا اور بھاگنے کھڑے ہوئے۔ اسلامی لشکر نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور مزید کئی سپاہیوں کو ختم کر دیا۔ اس لڑائی میں گیارہ سو سے زیادہ عیسائی مارے گئے اور صرف انیس مسلمان شہید ہوئے۔

اب امامن مسلمانوں کا جذبہ، وعدہ اور رات بھر جاگ کر عبادت کرنا دیکھ چکا تھا۔ جب تدمیر کو بری طرح شکست ہوگئی تو وہ ایک مسلمان سپاہی اسماعیل کو ساتھ لے کر اپنی بیٹی بلقیس کو ڈھونڈنے چل پڑا۔ اسلامی لشکر سے عبرت ناک شکست کے بعد عیسائی سپاہی تنکوں کی طرح بکھر چکے تھے۔ ان کے خالی خیموں میں سے ایک کے اندر بلقیس رسیوں میں جکڑی نظر آ گئی۔ اسماعیل نے آگے بڑھ کر تیز دھار خنجر سے اس کی رسیاں کاٹ دیں اور اسے آزاد کر کے خیمے سے باہر لے آیا۔ بلقیس نے جب اپنے والد امامن کو دیکھا تو روتی ہوئی اس کی طرف

دوڑی۔ امامن بھی اپنی اکلوتی بیٹی کو آزاد دیکھ کر خوش ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ اسماعیل اور امامن بلقیس کو لے کر طارق بن زیاد کے پاس جاتے' اچانک خیموں میں سے تدمیر ان کی طرف بڑھا اور بلقیس کو دبوچ کر گھوڑے پر سوار ہو کر خیموں کے دوسری طرف بھاگ گیا۔ چونکہ اسماعیل اور امامن پیدل تھے اور وہ ذہنی طور پر تدمیر کے اچانک حملے کے لیے تیار بھی نہیں تھے۔ اس لیے وہ تدمیر کا پیچھا نہ کر سکے اور تدمیر بلقیس کو لے کر اپنے بادشاہ راڈرک کی طرف چلا گیا۔ اس لڑائی کے بعد عیسائی فوج کے دل میں مسلمانوں کا خوف بیٹھ چکا تھا۔ وہ سوچنے لگے یہ انسان نہیں بلکہ کوئی اور ہی مخلوق ہے جس نے ایک طاقتور لشکر سے لڑ کر انہیں شکست دے دی ہے۔ اس سے پہلے کہ تدمیر بادشاہ کے پاس پہنچتا اس نے اپنے بادشاہ راڈرک کو قاصد کے ذریعے اسلامی لشکر کی آمد خبر دی۔ قاصد بجلی کی طرح بادشاہ کے پاس پہنچا اور تدمیر کا پیغام دیا۔ مسلمانوں کی بہادری، سپین پر حملہ اور ان کا بے خوف لڑنا، سپین کے رہنے والوں کے لیے حیران کن تھا۔ سپین کے رہنے والوں کو مسلمانوں کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ یہ مسلمان کون ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ یہاں کیسے پہنچے ہیں؟ وہ سب اسلامی لشکر کو پر اسرار مخلوق سمجھ رہے تھے۔ ان کو مذہب اسلام کے متعلق کچھ علم نہیں تھا۔ ان کا جذبہ جہاد بھی ان کے لیے بالکل نیا تھا، بادشاہ راڈرک اور اس کی فوج لفظ شکست کو جانتے نہیں تھے۔ اس لیے جب اس کو تدمیر کی شکست کا پتہ چلا تو وہ شدید غصے میں آ گیا۔ اس نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ملک سے نوے ہزار سے زیادہ جنگی تجربہ رکھنے والے سپاہیوں کو

اکٹھا کیا اور مختصر سے اسلامی لشکر کے مقابلے میں لے آیا۔

موسیٰ بن نصیر نے اسلامی لشکر کی مدد کے لیے جو پانچ ہزار نئے جوان روانہ کیے تھے وہ جہاد کے جذبے سے سرشار تو تھے مگر ان کے پاس بھی مکمل جنگی ہتھیار نہیں تھے۔ اکثر جوانوں کے پاس تلواریں اور ڈھالیں نہیں تھیں بلکہ اکثر سپاہی تو عام لکڑی کی لاٹھیاں لیے ہوئے تھے۔ جبکہ دوسری طرف راڈرک کی فوج جو ایک لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی اس کا سارا لشکر تمام جنگی ہتھیاروں سے لیس تھا۔ لیکن ایک چیز اسلامی لشکر میں اس کے لشکر سے زیادہ تھی وہ یہ کہ اسلامی لشکر جہاد کے جذبے اور شہادت کے شوق سے سرشار تھا۔ جب دونوں لشکر میدان میں آمنے سامنے ہوئے تو طارق بن زیاد نے اللہ کریم کے حضور کامیابی کے لیے دعا کی اور اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: ''اللہ کے سپاہیو! تمہاری دلیری اور جہاد کا جذبہ دیکھ کر ہر ایک حیران ہے۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ تم سب اپنے وطن سے دور ایک اجنبی زمین میں آئے ہوئے ہو۔ خوراک اور جنگی ہتھیار نہ ہونے کے برابر ہیں مگر یاد رکھو ہم یہاں کے رہنے والوں کو ان کے ظالم بادشاہ سے نجات دلانے آئے ہیں نہ کہ ہم یہاں مال و دولت اکٹھا کرنے یا خوراک جمع کرنے آئے ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے حکم کو مانتے ہوئے یہ سفر کیا ہے۔ تم سب کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سب کو پہلے بھی بتایا تھا کہ یہاں آنے سے پہلے مجھے سرورِ کائنات محمد رسول ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ جس میں انہوں نے اس علاقے کو فتح کرنے کی بشارت دی تھی۔''

طارق بن زیاد نے اپنی تقریر میں قرآنی آیات کا کئی مرتبہ حوالہ دیا۔ بلکہ ایک آیت کا

حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کریم نے اپنے سپاہیوں کے لیے فرمایا ہے: ''مسلمانوں کی مدد کرنا ہم (اللہ تعالیٰ) پر فرض ہے۔'' عظیم قوم کے عظیم سپاہیو! تم ایسی عظیم قوم کی اولاد ہو جنہوں نے غزوہ بدر اور حنین میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے فتح حاصل کی تھی۔ اس لیے اے اللہ تعالیٰ کے شیرو! دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ کیونکہ شہید ہونا یا غازی بننا تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔''

اسلامی لشکر نے اپنے سپہ سالار کا ایمان افروز اور جذبہ جہاد سے بھرپور خطاب سنا تو انہوں نے پرجوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور عیسائی لشکر کی طرف بڑھنے لگے۔ اتنی دیر میں انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ راڈرک ایک خوبصورت بگھی جس پر ہیرے جواہرات اور سونے سے بنی چھتری لگی ہوئی تھی۔ بڑے غرور کے ساتھ ریشمی نرم گدے پر بیٹھا ہوا تھا۔ طارق بن زیاد نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا کہ کہیں کوئی اس کی شان وشوکت کے رعب میں تو نہیں آ گیا مگر اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ سارا لشکر نفرت سے بھری نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں عیسائی لشکر اسلامی لشکر پر حملہ آور ہو گیا۔ ان میں گھوڑوں کی لمبی قطار تھی۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ عیسائی لشکر چند لمحوں میں اسلامی لشکر کو کچل کر رکھ دے گا۔ ایک لاکھ سے زیادہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف سات آٹھ ہزار مسلمان آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ عیسائی لشکر کی صفیں دور تک بچھی ہوئی تھیں۔ اگر حساب لگایا جاتا تو دونوں لشکروں میں ایک اور دس کا فرق تھا یعنی دس عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مسلمان تھا۔ جب جنگ شروع کرنے کا اعلان ہوا تو طارق بن زیاد نے ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر کامیابی کی دعا کی اور مدد کرنے کی درخواست کی۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر اس نے تین بار نعرہ تکبیر

بلند کیا۔ اسلامی لشکر بھی ''اللہ اکبر'' کہہ کر اپنے جذبے سے آگاہ کیا۔ طارق بن زیاد نے عیسائی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج کو مزید آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ عیسائی بادشاہ راڈرک افرادی قوت اور بھاری اسلحہ رکھنے کے غرور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا۔ دونوں طرف سے خوب جوش سے جنگ جاری تھی۔ جنگ میں دونوں طرف سے بھرپور حملے کیے جا رہے ہیں اور ان حملوں کا مقابلہ کیا جا رہا تھا۔ میدان جنگ بھی خوبصورت نظارہ پیش کر رہا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ جب ایک مسلمان سپاہی دشمن کے سپاہی پر تلوار زنی کرتا تو اس کے وار سے چھ سات عیسائی فوجی مارے جاتے تھے۔ بظاہر دیکھنے میں عیسائی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی مگر ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے اللہ کریم نے اپنے سپاہیوں کے لیے فرشتے زمین پر بھیج دیئے تھے جو مسلمان سپاہیوں کا مکمل ساتھ دے رہے تھے۔ شام تک میدان جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ غزوہ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے فرشتوں کا ساتھ ملنے سے کفار کو بری طرح شکست دے دی۔

اللہ تعالیٰ کا شیر کافر گیدڑوں کو عبرتناک شکست دے چکا تھا۔ ظالم بادشاہ راڈرک میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر نے بھاگتے ہوئے عیسائی لشکر کا پیچھا کیا۔ کفر کے خلاف طارق بن زیاد کو ایک بڑی فتح نصیب ہو گئی تھی۔ طارق بن زیاد نے راڈرک کے قبضے سے مظلوم لڑکیوں کو آزاد کر دیا اور اس دوران میں اسے راڈرک کا جمع کیا ہوا بہت بھاری مقدار میں خزانہ بھی ملا۔

ظالم راڈرک کو شکست ہونے کے بعد پورے افریقہ اور یورپ میں مسلمانوں نے

دھوم مچادی جبکہ عیسائیوں کے حوصلے ختم ہو گئے اور وہ کسی بھی میدان میں اسلامی لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ نہ کر سکے۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب طارق بن زیاد کو ملنے والی بشارت حقیقت بن گئی اور پورا سپین (اندلس) اہل ایمان کے قدموں تلے تھا۔

طارق بن زیاد نے اپنے جانثاروں کے ساتھ سپین فتح کر کے نا صرف ان دو مظلوم لڑکیوں کو آزاد کر دیا بلکہ دیگر سینکڑوں مظلوم لڑکیوں کی دعائیں بھی اسلامی لشکر کے ساتھ تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جائے وہ نیک کام میں مدد ضرور کرتا ہے۔ سپین پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے بعد وہاں کے تمام غریب کسان اور عوام اپنی زمین کے حقیقی وارث بن گئے۔ جن امیروں نے غریبوں پر زندگی تنگ کر رکھی تھی، وہ سب اسلامی حکومت آ جانے سے حق داروں کو ان کا حق دینے لگے۔ ملک میں جہاں ہر وقت لوٹ مار اور بدامنی تھی وہاں اب امن اور سکون نظر آنے لگا تھا۔ سپین کے عوام نے مسلمانوں کی نیک دلی اور اچھا اخلاق دیکھا تو وہ دھڑا دھڑ ایمان لا کر مسلمان ہونے لگے۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کو بھی اسلامی حکومت نے مکمل حقوق دے رکھے تھے۔ سپین کے مشہور شہر ''قرطبہ'' کو دارالخلافہ بنا دیا گیا اور وہاں ایک عالیشان مسجد بھی بنائی گئی۔

طارق بن زیاد نے پورا سپین فتح کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر کو پیغام بھیجا کہ اب اسے پورا یورپ فتح کرنے کی اجازت دی جائے۔ موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ ولید بن عبدالمالک کو پیغام بھیج دیا مگر انہوں نے حکم فرمایا کہ: ''تم سپین کے انتظامات کسی کو سونپ کر طارق بن زیاد کے ساتھ افریقہ کے راستے دمشق آ جاؤ۔'' موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے

عبدالعزیز کو سپین کا گورنر بنایا اور طارق بن زیاد کے ساتھ دمشق کی طرف چل پڑا۔ مگر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جب دمشق پہنچے اسی وقت خلیفہ ولید بن عبدالملک فوت ہو گئے۔ اس لیے ان دونوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ خلیفہ نے ان دونوں کو کس لیے دمشق بلایا تھا؟

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنے تو انہوں نے ہر شخص کے ساتھ دشمنی پال لی۔ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد بھی خلیفہ کے انتقام کا شکار ہو گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں کو گرفتار کر کے قید کر لیا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا دور حکومت عظیم مسلم فاتحین کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ ایسے مسلم فاتحین جن کا نام تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے وہ سب اس دور میں نہایت ناروا سلوک کا شکار ہو گئے۔ گورنر خراسان، فاتح قتیبہ اور محمد بن قاسم جیسے عظیم مسلم فاتحین بھی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے ''مجرم'' ٹھہرے اور خلیفہ نے موسیٰ بن نصیر کے بیٹے کو بھی سپین کی گورنری سے ہٹا دیا کہ کہیں وہ اپنے باپ کا بدلہ لینے نہ آ جائے۔

طارق بن زیاد کے آخری دنوں کے حوالے سے مؤرخین خاموش ہیں۔ مگر چند جگہ پر طارق بن زیاد کے انتقال کی تاریخ 11- اپریل 720ء درج ہے۔ سپین جس کو اندلس بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی اور آخر نہایت افسوس ناک طریقے سے انہیں وہاں سے نکلنا پڑا۔ مگر سپین کے فاتح طارق بن زیاد کے کارناموں سے مسلم فاتحین کی تاریخ ہمیشہ جگمگاتی رہے گی۔

✪ ✪ ✪ ✪ ✪

یوسف بن تاشفین

(فاتح اندلس)

حق وانصاف کا مشعل بردار انسان جو مسلمانوں کے دلوں پر راج کرتا تھا اور ظالموں کا شکار ہونے والے مظلوموں کی حمایت بھی کرتا تھا۔ یہ مظلوم لوگ مختلف شہروں سے جزیرۃ الخضر اء کی طرف آ رہے تھے۔ حق وانصاف اور رحم دلی کا پیکر انسان اپنے لشکر کا سالار تھا۔ ایک کھلے میدان میں اپنے لشکر کو نماز پڑھاتا تھا۔ شہر کے عوام بھی اس کی امامت میں نماز پڑھنا اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ نماز کے بعد اسلامی لشکر کا یہ سالار دور کے علاقوں سے آئے فریادیوں کی بات سن کران کا فیصلہ کرتا یا ان کی شکایات دور کرنے کے لیے فوری حکم دیتا تھا۔ فریادی مسلم سپہ سالار کے گرد جمع تھے۔ کوئی کہتا: ''یا امیر! میرا بھائی مسلمان ہونے کے جرم میں اتنے سال سے قید ہے۔ اس کو عیسائی حاکم سے آزاد کروائیں'' کوئی ہاتھ جوڑ کر باادب کھڑا ہو جاتا اور کہتا: ''یا امیر! میرے والد کو بے گناہ قتل کر دیا گیا ہے۔ میرے والد کے قاتلوں کو گرفتار کر کے انہیں سزا دیں'' کبھی کوئی روتے ہوئے آتا اور کہتا: ''اے امیر! ظالموں نے ہماری جائیدادیں ضبط کر لی ہیں، ہمیں ہمارا حق دلائیں۔''

سپہ سالار سب لوگوں کی فریاد سنتا اور اپنے قریب بیٹھے کاتبوں کو متعلقہ امراء یا حکام کے

نام حکم نامہ لکھواتا' جس میں فریادی کی مکمل مدد کرنے کا حکم ہوتا تھا۔ سب لوگ اپنے سپہ سالار اور امیر کے حسن سلوک اور انصاف کی وجہ سے ہمیشہ اس کی لمبی عمر کی دعا کرتے تھے۔ ظالم کسی پر ظلم کرنے سے پہلے کئی مرتبہ سوچتا تھا کیونکہ مظلوم کی فوری مدد کرنا امیر کی ترجیح ہوتی تھی۔ یہ دور انصاف اور امن کا سنہری دور تھا۔

ایک دن اسلامی لشکر کا امیر اپنی عادت کے مطابق نماز پڑھا کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بوڑھی عورت نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا: ''یا امیر! یا امیر! میری فریاد سنتے جانا۔ میری بات کو غور سے سننا۔'' امیر نے ایک نظر بوڑھی عورت کی طرف دیکھا اور وہیں رک گیا۔ امیر کے محافظوں نے بوڑھی عورت کو امیر کی طرف بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی۔ مگر امیر نے سپاہیوں کو روک دیا اور کہا: ''اس بوڑھی عورت کو نہ روکو۔ میں اس کی فریاد ضرور سنوں گا۔'' پھر امیر بوڑھی عورت کی طرف بڑھا اور کہا: ''اماں جان! آپ اپنا مسئلہ بتائیں۔'' بوڑھی عورت نے کہا: ''آپ مجھے یہ بتائیں کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟'' امیر نے چہرے پر پریشانی کے تاثرات لاتے ہوئے کہا: ''آپ کا بیٹا؟'' بوڑھی عورت نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا: ''مجھے پتہ تھا کہ آپ بھی دوسروں کی طرح مجھے پاگل کہیں گے۔ مگر جب تک میرے بیٹے کا علم نہ ہو جائے۔ میں آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔ مجھے میرے بیٹے کا بتائیں کہ وہ کہاں ہے؟''

بوڑھی عورت اپنے گمشدہ بیٹے کو تلاش کرنے کی فریاد کرتے ہوئے بولی ''آپ کو سب پتہ ہوگا۔ آپ چاہیں تو میرے بیٹے کو فوراً ڈھونڈ سکتے ہیں۔'' امیر نے پریشانی سے اپنے

محافظوں کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا: ''یا امیر! یہ بوڑھی عورت نیم پاگل ہے۔ آج سے دو سال پہلے اس کا اکلوتا بیٹا قید خانے میں فوت ہو گیا تھا۔ مگر اس عورت کو ابھی تک اپنے بیٹے کی موت کا یقین نہیں آ رہا۔ یہ سمجھتی ہے کہ ابھی تک اس کا بیٹا قید خانے میں ہے۔'' امیر نے پوچھا: ''اس نے کیا جرم کیا تھا جو قید خانے میں بند کر رکھا تھا؟'' سپاہی نے کہا: ''یا امیر! یہاں صرف مجرموں کو ہی سزا نہیں ملتی بلکہ بے قصور بھی سزا پاتے ہیں۔ اس بوڑھی عورت کا بیٹا ان ہزاروں نوجوانوں میں سے ایک تھا جو حق کی آواز بلند کرنے کے جرم میں قید کر لیے گئے تھے۔''

بوڑھی عورت نے امیر کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور اب وہ روتے ہوئے ہچکیاں بھی لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دل پریشان تھا۔ امیر نے سپاہی کی بات اور بوڑھی عورت کی ہچکیاں سنیں تو اس کا دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ امیر نے بوڑھی عورت سے کہا: ''اماں جان! آپ فکر نہ کریں۔ اب میں آپ کا بیٹا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے سپاہی کو دیکھا اور کہا: ''ان کو نہایت عزت سے شہر کے ناظم کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ ان کے رہنے کے لیے مناسب بندوبست کر دیں اور میری طرف سے ان کو مناسب وظیفہ بھی ملتا رہے گا۔'' یہ کہہ کر امیر نے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں شفقت اور محبت کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ امیر نے اپنے خیمے کی طرف قدم بڑھا دیئے اور سب لوگ امیر کے الفاظ کی گونج محسوس کر رہے تھے۔

اس رحم دل اور انصاف پسند امیر کا نام یوسف بن تاشفین تھا۔ 462ھ میں ابوبکر بن

عمر کے انتقال کے بعد مراکشی علماء کی تحریک پر بَربَر قوم نے یوسف بن تاشفین کو اپنا امیر چُن لیا تھا۔اس فیصلے کو ماننے والوں میں سابق امیر ابوبکر بن عمر کے بیٹے سیر بن ابوبکر بھی شامل تھا۔ ابوبکر بن عمر آپ کے سگے چچا تھے۔یوسف بن تاشفین نے امیر بن کر مرابطین کی سلطنت کو ایک عظیم الشان اسلامی مملکت بنانے کی کامیاب کوشش کی۔جس وجہ سے افریقہ کے اکثر علاقے ''اللہ اکبر'' کی صداؤں سے گونجنے لگے۔

جب اندلس میں نااتفاقی کی وجہ سے مسلمانوں کی نگاہیں کسی ایسے نجات دہندہ کی منتظر تھیں جو ان کو پھر سے متحد کردے اور افریقہ پر چھائے زوال کے بادلوں کو ختم کردے۔غرناطہ، قرطبہ اور اشبیلیہ کی عظیم الشان درس گاہوں کے استاد اپنی قوم سے ناامید ہو چکے تھے۔اموی حکومت کے زوال کے ساتھ بحیرہ روم کے دوسری جانب ایک نئی طاقت میدان میں آرہی تھی۔پانچویں صدی کے دوران میں اسلام کے مبلغین کی کوشش اور محنت سے افریقہ کے بربروں میں سے ایک جنگجو قبیلہ مسلمان ہوگیا تو انہوں نے ''مرابطین'' نامی ایک مسلمان سلطنت قائم کرلی۔ابوبکر بن عمر اس سلطنت کے پہلے امیر مقرر ہوئے۔ابوبکر بن عمر بہت نیک، پرہیزگار اور تقویٰ والے انسان تھے۔ان کی اپنی خوبیوں کی بدولت انہیں مرابطین کا اول امیر چُنا گیا تھا۔ان کی دینداری سے مراکش کے دوسرے قبائلی علاقے جو پہلی صدی ہجری میں مسلمان ہوئے تھے انہوں نے بھی انہیں اپنا امیر مان لیا۔مگر الجزائر سے لے کر طنجہ کے بَربَر قبائل افریقہ میں کسی طاقتور سلطنت کو اپنی آزادی کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ان میں جو مسلمان تھے ان کے سردار اور امیر بھی اپنی الگ شناخت کو اسلامی مملکت بنانے کے لیے تیار

نہیں تھے جب امیر مرابطین ابو بکر بن عمر نے سب کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی تو یہ سب مرابطین کے خلاف متحد ہو گئے جو غیر مسلم افریقی قبائل اسلام کے پھیلنے کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے وہ بھی ساتھ مل بیٹھے اور صحراؤں' پہاڑوں اور جنگلوں سے باہر نکل کر افریقی ساحل کے ساتھ بسے پُر امن شہروں اور بستیوں میں گھس گئے جہاں انہوں نے خوب جی بھر کر لوٹ مار اور قتل و غارت کا طوفان برپا کر دیا۔ بَربَر قبائل نے ان کی حمایت کی اور اس خانہ جنگی میں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

یہ دور نہایت پریشان کن اور دین اسلام کے لیے باعث فکر تھا۔ یہ ایسا نازک دور تھا جب مسلمانوں کو پختہ یقین اور تقویٰ والے سپہ سالار کی ضرورت تھی۔ جو قرآن اور سنت کے بنائے راستے پر چل کر اپنا کردار ادا کر سکے۔ اس نازک وقت میں جب امیر مرابطین ابو بکر بن عمر فوت ہو گئے تو مسلمانوں کو ایسے سپہ سالار کی ضرورت تھی جو ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھامے مسلمانوں کے حقوق کے لیے جہاد کرے۔ اس موقع پر یوسف بن تاشفین کو مرابطین کا امیر چن لیا گیا۔ جس کی سب لوگوں نے حمایت کی۔ یوسف بن تاشفین کا چناؤ دشمنوں کے لیے موت کا پیغام اور عالم اسلام کے لیے بہترین تھا۔ افریقہ کے جہالت زدہ علاقوں میں اسلام کی شمع روشن کرنے والے اس کے قریبی دوست تھے۔

مرابطین کا امیر اور فوج کا سپہ سالار مقرر ہونے کے بعد یوسف بن تاشفین نے ایسے اقدام کیے جن کی وجہ سے اس کو شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں اور بہت جلد مرابطین ایک طاقتور سلطنت کے طور پر سامنے آیا۔ مگر یہ کامیابیاں اس کی زندگی کا مقصد نہیں تھیں بلکہ ان

سے بڑھ کر ایک بہت بڑا کام تھا۔ جو کہ باطنی اور انتہا پسند افریقی لوگوں کو دور دراز علاقوں میں سے ڈھونڈنا اور انہیں اسلام کے روشن پہلو کے بارے میں بتانا تھا۔ پورے افریقہ کے جنگلوں' پہاڑوں' صحراؤں اور بحیرہ روم کے ساحل پر بھی بَربَری قبضہ تھا۔ یورپ اور افریقہ کے بیشتر علاقے ان کی لوٹ مار سے محفوظ نہیں تھے۔ افریقہ کے ساحل پر کئی چھوٹی بندرگاہیں اور بحیرہ روم کے اکثر ٹاپوان کے قبضے میں تھے۔ ان سب کی تمام بری حرکتوں کو ختم کرنے کے لیے یوسف بن تاشفین نے ایک جنگی بحری بیڑہ تیار کرنے کا سوچا۔

ابوبکر بن عمر کے بعد مسلمانوں کو یوسف بن تاشفین کی صورت میں عظیم سپہ سالار مل گیا تھا۔ امیر مرابطین بننے کے بعد یوسف بن تاشفین نے اپنے چچا ابوبکر بن عمر کے عزم کو پورا کرنے کا سوچا اور افریقہ کو ایک عظیم اسلامی سلطنت بنانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ صرف چند سالوں میں افریقہ کے اس سپہ سالار نے کئی علاقوں میں اپنی فتح کے پرچم لہرا دیے۔ یہ کامیابی صرف یوسف بن تاشفین ہی کے حصے میں آئی۔ افریقہ کے تاریک علاقوں میں اللہ اکبر کی صدائیں گونجنے لگیں۔ جو لوگ برائیوں کو اپنے لیے اچھائی سمجھتے تھے انہوں نے تمام برائیوں سے توبہ کر لی۔

جب یوسف بن تاشفین نے اپنی کامیاب حکمت عملی سے بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پا لیا تو اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد نے ''الفانسو'' کے خلاف لڑنے کے لیے امیر یوسف کی مدد حاصل کرنے فیصلہ کر لیا۔ چونکہ الفانسو عیسائی بادشاہ تھا۔ اشبیلیہ کے مسلمانوں کا ایک بڑا وفد یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں اندلس کے شہروں کے بڑے بڑے

عالم استاذ اور سیاست دان شامل تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کے مظالم کی بھرپور منظر کشی کرتے ہوئے اپنا دکھ سنایا۔ یوسف بن تاشفین نے اپنی تلوار کو فضا میں بلند کر کے قسم کھائی کہ وہ بہت جلد اپنے مسلمان اندلسی بھائیوں پر کیے گئے تمام مظالم کا بدلہ لے گا۔ وفد کے تمام لوگ نہایت مطمئن ہو کر واپس اندلس چلے گئے۔

یوسف بن تاشفین نے تلوار کو فضا میں لہرا کر جو قسم کھائی تھی وقت آنے پر اُس کو ہر حال میں پورا کیا۔ جہاد میں شریک ہونے کا عام اعلان کر دیا گیا جس کے نتیجے میں ہزاروں لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس لشکر کے پاس صرف چار سو جہاز تھے۔ ان جہازوں میں جتنی فوج جا سکتی تھی اُس کو آگے بھیج دیا گیا۔ جب جہازوں نے فوج کو جزیرۃ الخضر میں اُتار دیا تو انہیں فوراً خالی واپس آنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب دوسری بار جہاز فوجیوں کو لے کر گئے تو ان کی تعداد سترہ ہزار ہو گئی۔ جب جزیرہ الخضر اسے امیر یوسف بن تاشفین روانہ ہوا تو ہر جگہ اُس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جب اشبیلیہ کا مرکزی دروازہ آیا تو اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد نے اس کا نہایت پرتپاک استقبال کیا۔ رات خاصی گہری ہو چکی تھی اس لئے یوسف بن تاشفین نے شہر سے باہر رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اُس نے سوچا لشکر اس وقت شہر سے گزارے گا تو اُس کے متعلق کئی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں گی۔ لوگ یہ سمجھیں گے کہ افریقہ کا حاکم اُن کے شہر پر قبضہ کرنے آیا ہے۔ اس لیے اسی میں بہتری تھی کہ وہ شہر کے باہر رُک جائے اور اپنا مقصد پورا کر کے واپس چلا جائے۔ بادشاہ معتمد نے امیر یوسف بن تاشفین اور اُس کے

سپاہیوں کوشاندار کھانا پیش کیا اور تمام سپاہیوں کو قیمتی تحائف بھی دیئے جب ساری فوج ایک جگہ جمع ہوگئی تو اُس کی تعداد بیس ہزر کے قریب ہوگئی تھی۔

ساری فوج کا سپہ سالار یوسف بن تاشفین خود تھا جوفوج کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ جب عیسائی بادشاہ الفانسو کو اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہوا تو وہ ''قسطلہ'' کا محاصرہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے سرقسطلہ کا محاصرہ ادھورا چھوڑا اور اپنی ریاست کے تمام سرداروں کو حکم دیا کہ وہ سب اپنی اپنی فوج کو لے کر فوراً ''طلیطلہ'' پہنچ جائیں۔

جب الفانسو کا حکم ملا تو سب عیسائی سردار طلیطلہ روانہ ہو گئے' اور جب وہ سب اکٹھے ہوئے تو ان کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ جن میں اکثریت فرانسیسی فوجیوں کی تھی۔ الفانسو فوراً ''زلاقہ'' کی جانب بڑھا جہاں یوسف بن تاشفین پہلے سے موجود تھا۔

فجر کی نماز پڑھ کر سیر بن ابو بکر لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہوا اور اندر آتے ہی جلدی سے گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔ اس کے ساتھ سعد بھی تھا۔ جب لشکر کے سپاہیوں نے سیر بن ابو بکر کو دیکھا تو وہ سب اس کی طرف دوڑے اور نہایت ادب سے اسے سلام پیش کیا۔ سیر بن ابو بکر نے سلام کا جواب ہاتھ ہلا کر دیا اور ایک سپاہی سے پوچھا: ''امیر یوسف کہاں تشریف فرما ہیں؟'' سپاہی نے نہایت ادب سے کہا: ''محترم! آیئے میں آپ کو امیرِ محترم کے خیمے تک لے جاتا ہوں۔''

سیر بن ابو بکر نے سعد کا ہاتھ تھاما اور سپاہی کو آگے چلنے کا کہا اور وہ خود اس کے پیچھے چل پڑے۔ عبدالمنعم کا بیٹا سعد اپنے والد کی طرح نہایت بہادر اور دیندار انسان تھا۔ عبدالمنعم کو

قید کرلیا گیا تھا اور اُس کی بیوی (سعد کی والدہ) نے اپنے بیٹے کی نہایت دلیرانہ سے پرورش کی تھی۔ جب سیر بن ابوبکر سعد کا ہاتھ تھامے امیر یوسف بن تاشفین کے خیمے کی جانب بڑھا تو سعد کے دل میں مختلف خیالات آ رہے تھے۔ جس وجہ سے اسے دل کی دھڑکن اپنے حلق میں محسوس ہورہی تھی۔ اس کے دماغ میں امیر یوسف بن تاشفین کا خیالی خاکہ گردش کررہا تھا۔ کیونکہ یہ اس کی پہلی ملاقات تھی۔ سپاہی ان دونوں کو لے کر ایک خیمے کے قریب جا کر رک گیا۔ خیمے کا پردہ اٹھا ہوا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے خیمے کے اندر دیکھا اور سعد کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہو گیا۔

امیر یوسف بن تاشفین کھجور کے پتوں سے بنی چٹائی پر بیٹھا اپنے کاتب کو کچھ لکھوا رہا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے اس کے پاس جا کر ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور سلام کا جواب دیا۔ یوسف بن تاشفین کی نظر سیر بن ابوبکر کے چہرے پر جا کر رک گئی۔ چہرے کے خدوخال میں سادگی کے ساتھ ایک رعب اور جلال بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک تجسس تھا جس طرح شیر کو گہری نیند سے بیدار کر دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں شیر جیسی چمک کسی اہم مسئلے کی نشاندہی کر رہی تھی۔

سیر بن ابوبکر نے امیر یوسف بن تاشفین سے کہا: ''یا امیر! میں معذرت چاہتا ہوں آپ کو اطلاع دیے بغیر حاضر ہوا ہوں۔ مگر محترم! میں ایک بہت بُری خبر لایا ہوں۔'' امیر یوسف بن تاشفین نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے کہا: ''میرے بھائی! اس سے زیادہ بُری خبر کیا ہوگی کہ میں آپ کو سمندر کی بجائے اس صحرا میں دیکھ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر

یوسف بن تاشفین اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور نہایت فیصلہ کن انداز میں کہا ”آپ لمبی بات کرنے کی بجائے مختصر الفاظ میں ساری بات جلدی سے بتا دیں۔“ سیر بن ابو بکر نے چند الفاظ میں تازہ صورتِ حال بتا دی۔ سعد اس وقت امیر یوسف بن تاشفین کا صبر اور سکون دیکھ کر حیران کھڑا تھا۔ کیونکہ سیر بن ابوبکر کی بات سن کر امیر یوسف کا چہرہ کسی بھی پریشانی سے خالی تھا۔ سیر بن ابو بکر کی بات سن کر امیر یوسف بن تاشفین اپنے خیمے سے باہر نکل آئے اور نہایت جوش سے بلند آواز میں اپنے تمام سالاروں اور سپاہیوں کو فوراً تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ جو چہرہ چند لمحے پہلے نہایت پرسکون اور شفیق تھا وہی چہرہ اب کڑکتی بجلیوں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جن آنکھوں میں نہایت رحم اور محبت تھی وہی آنکھیں اب ایک نئے جذبے اور دشمن کو کچلنے کے عزم سے بھری ہوئی تھیں۔ امیر یوسف بن تاشفین کا حکم ملتے ہی تمام سالار اور سپاہی تیار ہو کر جمع ہو گئے ان کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔

لشکر کی روانگی سے پہلے امیر یوسف نے تمام سالاروں اور سپاہیوں کو جنگی حکمت عملی سمجھائی اور سیر بن ابوبکر سے کہا ”سیر! تم شدید زخمی ہو۔ اس لیے خیمے میں جا کر آرام کر لو اور سعد آپ بھی ان کے ساتھ جا کر آرام کر لیں۔“ سیر بن ابو بکر نے نہایت جذبے سے کہا: ”یا امیر! میرا زخم بہت معمولی ہے۔ اب میں خود کو بہتر محسوس کر رہا ہوں۔“ سعد بھی اس موقع پر بولا: ”جی محترم! میں نہ تو زخمی ہوں اور نہ ہی مجھے کسی قسم کی تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“ سیر بن ابو بکر نے امیر یوسف بن تاشفین کو سعد کے متعلق بتا دیا تھا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ امیر یوسف نے سعد کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس نے دوبارہ

کہا ''یا امیر! یہ سعد ہے۔ جو غرناطہ سے آیا ہے۔ یہ ہمارے ساتھ جہاد میں حصہ لینے کا شوق رکھتا ہے۔اس کو جہاد پر جانے کا بہت شوق ہے۔اس کا جذبہ شہادت عروج پر ہے۔''

امیر یوسف بن تاشفین نے مسکراتے ہوئے سعد کی طرف دیکھا اور کہا: ''نوجوان! تمہارا جذبہ واقعی میرے لیے قابل احترام ہے۔مگر جس میدان میں اترنے کی خواہش رکھتے ہو وہ بہت طویل ہے۔جس میں تم کو اپنے بازو کی قوت آزمانے اور حکمتِ عملی پر سوچنے کے کئی مواقع ملیں گے۔ جب تک تمہاری سانس جاری ہے تب تک یہ مواقع کئی مرتبہ آئیں گے مگر فی الحال تم آرام کرلو۔ تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تمہارا چہرہ تمہاری جسمانی تھکاوٹ کی چغلی کھا رہا ہے۔''

سعد نے امیر یوسف بن تاشفین کی بات سنی تو چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا: ''محترم! آپ کے حکم پر عمل کرنا میرا فرض ہے۔مگر میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ جہاد میں جاؤں۔ اے کاش! میرا چہرہ میری جسمانی تھکاوٹ کی جگہ میرے جوش اور جذبے کی عکاسی کررہا ہوتا۔ میں آپ کے ساتھ جہاد میں حصے لینے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' امیر یوسف بن تاشفین نے سعد کی بات سن کر ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا اور اپنے ایک سالار کا نام لے کر اسے بلایا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا تو امیر یوسف بن تاشفین نے کہا: ''اس نوجوان کو بہترین گھوڑا دے دو۔'' سعد، امیر یوسف بن تاشفین کا حکم سن کر خوش ہو گیا اور جہاد کے جذبے سے اس کا چہرہ کھلتے ہوئے پھول کی طرح دمک اٹھا۔ وہ خوش ہو کر امیر یوسف کی طرف بڑھا اور ان کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر بولا: ''یا امیر! آپ نے مجھے جہاد میں

شرکت کی اجازت دے کر میری عزت افزائی کی ہے۔" یوسف بن تاشفین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری اور انہوں نے روانگی کا حکم دے دیا۔

حکم ملتے ہی فوج کے سالار اور سپاہی "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ پانچ ہزار مسلم لشکر کو صحرا کی ریت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ سعد بن عبدالمنعم بھی افریقہ کے شہسواروں کے ساتھ رواں دواں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کی امید سے بہت پہلے جہاد کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اس کے کانوں میں یوسف بن تاشفین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے: "تم نے جس میدان میں پاؤں رکھا ہے وہ بہت طویل ہے۔" اس کی نظروں میں امیر یوسف بن تاشفین کا پرسکون چہرہ ابھر رہا تھا۔ سعد نے اپنے خیالات کو مزید روشن کرتے ہوئے سوچا کہ اس نے کئی مرتبہ دعا کی تھی: "یا اللہ! عالم اسلام سے پھر کوئی خالدؓ بن ولید یا طارق بن زیاد جیسے عظیم سپہ سالار بھیج جو عرب کے ریگستانوں سے نکل کر پوری دنیا پر چھا گئے تھے۔" وہ سوچنے لگا کہ اس نے کئی مرتبہ دعا کی تھی کہ اس کو خالدؓ یا طارق جیسا سپہ سالار ملے اور وہ اس کے سامنے جا کر عرض کرے: "میں آپ کی فوج کا سپاہی ہوں۔ میں نے تمام جنگی مہارت اس لیے حاصل کی ہے کہ میں دل و جان سے آپ کا ساتھ دوں۔"

سعد ابھی خیالی دنیا میں کھویا ہوا تھا کہ اس کو یوسف بن تاشفین کی آواز سنائی دی جو گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنی فوج کے مختلف دستوں کو جنگی ہدایات دے رہا تھا وہ اپنے سالاروں کو دشمن کی فوج پر حملہ کرنے کے گر بتاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سعد نے امیر یوسف بن تاشفین کی طرف دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ وہی شہ سوار ہے جو میری سوچ میں آتا

تھا۔جس کا قرب میں نے قدرت سے مانگا تھا۔اسی مجاہد نے خالدؓ بن ولید اور طارق بن زیاد کی یاد تازہ کرنی ہے۔کیا یہ وہی سپہ سالار ہے جس نے کسی دن اندلس میں مسلمانوں کا نجات دہندہ بننا ہوگا۔اسی سپہ سالار نے الفانسو کے خلاف تلوار بننا ہے جو طارق بن زیاد کی صورت میں عیسائی بادشاہ راڈرک کے خلاف بلند ہوئی تھی۔وہ پر عزم ہو کر آگے بڑھتا جا رہا تھا اور اس کے دماغ میں کئی خیالات آتے تھے اور وہ ان کو سوچ کر مسکرا دیتا تھا کیونکہ یہ تمام منظر وہ کئی سالوں سے سوچ رہا تھا۔جو قدرت کی طرف سے اس کے سامنے حقیقت کے روپ میں آ گئے تھے۔

سعد نے ایک بار پھر گھوڑا دوڑاتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کی جانب دیکھا اور دل میں دعا کی:''اے مالکِ دو جہاں! امیر مرابطین کو ہمت اور زندگی عطا فرما۔آمین! افریقہ کی ایک طاقت ور سلطنت نہ صرف اندلس کے مسلمانوں کی حمایت کرے بلکہ وہ یورپ کی ایسی تمام سلطنتوں کو منہ توڑ جواب دے جو عالم اسلام کے خلاف صلیب کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے ہیں۔''

اب زلاقہ کے میدان میں ایک طرف امیر یوسف بن تاشفین اپنے جاں نثاروں کے ساتھ کھڑا تھا دوسری جانب الفانسو صلیبی لشکر کے آگے کھڑا ہو کر اپنی قوت پر مغرور تھا۔یوسف بن تاشفین نے اسلامی جھنڈا بلند کرتے ہوئے الفانسو کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو جائے یا جزیہ ادا کرنا قبول کر لے۔مگر یوسف بن تاشفین کے پیغام کا جواب دیتے ہوئے اُس نے کہا:''اندلس کے دوسرے مسلمان بادشاہ مجھے خراج دیتے ہیں مگر تم باہر سے

آ کر مجھ سے جزیہ (خراج) مانگ رہے ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں تم کو ادائیگی کروں۔ بلکہ میرے پاس دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور فوج ہے جو تمہیں کو تمہارے ساتھیوں سمیت ختم کردے گی۔"

امیر یوسف بن تاشفین نے بڑی فوج کا غرور کرنے والے بادشاہ القانسو کی توہین آمیز گفتگو سنی تو اس کے قاصد کو اسی مراسلہ کے پیچھے صرف چند لفظوں میں جواب لکھ کر دے دیا کہ جاؤ یہ پیغام اپنے مغرور بادشاہ کو پڑھا دو۔ عیسائی قاصد نے یوسف بن تاشفین کا جواب پڑھا تو اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔ کیونکہ جواب میں لکھا تھا۔ "اب جو کچھ ہونے والا ہے اس کو تم خود دیکھو گے۔"

عیسائی قاصد کو واپس روانہ کر کے یوسف بن تاشفین نے اپنے لشکر کا ایک بار پھر جائزہ لیا اور تمام سالاروں کو ضروری ہدایات دیں۔

اب دونوں طرف سے فوجیں ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے بے چین ہو کر میدان میں کھڑی تھیں۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سپاہی بے تاب تھے کہ کب جنگ شروع ہونے کا اعلان ہو اور وہ اپنے دشمن کو ختم کر دیں۔ سپاہیوں کے گھوڑے بھی میدان جنگ میں دوڑنے کے لیے بے چین تھے۔ وہ باگ ڈھیلی ہونے کے منتظر تھے کہ کب ان کا سوار انہیں دشمن کی طرف بڑھنے کا موقع دیتا ہے؟

امیر یوسف بن تاشفین نے اس موقع پر بہت حکمت اور عقلمندی سے ایک جنگی چال چلی وہ یہ کہ وہ اپنے لشکر میں شامل اندلسی لشکر کو آگے لے آیا اور افریقی لشکر کو پہاڑیوں میں بھیج

دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ پہاڑیوں میں خود کو چھپالیں۔ اب جب دونوں طرف سے فوجیں جنگ کے لیے بالکل تیار ہو گئیں تو جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے خوب لڑ رہی تھیں۔ امیر یوسف بن تاشفین نے اندلسی لشکر کو عیسائی بادشاہ الفانسو کی فوج کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا۔ مگر پہاڑیوں میں چھپے افریقی لشکر کو کچھ نہ کہا۔ عیسائی فوج نے اپنی طاقت کے ذریعے اندلسی لشکر کو کئی حملوں کے ذریعے دھکیل دیا اور آگے بڑھنے لگی۔ افریقی لشکر اس وقت کا منتظر تھا۔ اس نے اپنے امیر یوسف بن تاشفین کی جنگی حکمت عملی کے مطابق یکدم عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے بادشاہ الفانسو کی فوج سنبھل نہ سکی اور شام سے پہلے ہی ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ الفانسو کی فوج کو اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ اس لیے وہ میدان چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے دوڑ پڑی۔ حالانکہ یوسف بن تاشفین کی فوج کی نسبت الفانسو کی فوج کئی گنا زیادہ تھی۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ عیسائی فوج کے مقابلے میں صرف بیس ہزار کا مسلمان لشکر تھا۔ جو کہ تین عیسائیوں کے مقابلے میں ایک مسلمان بنتا ہے۔ مسلمان لشکر کی نسبت الفانسو کی فوج بھاری جنگی اسلحہ اور تجربہ کار سپاہیوں پر مشتمل تھی جبکہ مسلم فوج میں زیادہ نوجوان سپاہی تھے جن کے پاس مکمل جنگی سامان بھی نہیں تھا۔

اب رات کے سائے آسمان پر چھا رہے تھے۔ اس لیے جنگ روک دی گئی۔ اس رات کا آجانا الفانسو کی فوج کے لیے خوش قسمتی بن گیا تھا۔ اگر رات نہ ہوتی تو ایک بھی عیسائی

فوجی زندہ نہ بچتا۔ عیسائی بادشاہ الفانسو خود بُری طرح زخمی ہو گیا تھا مگر اس کی قسمت اچھی نکلی جو وہ مسلمان سپاہیوں کے گھیرے سے زندہ بچ نکلا تھا۔

اگلے دن صبح کی نماز پڑھ کر امیر یوسف بن تاشفین نے میدان جنگ میں جا کر دیکھا کہ ہر طرف عیسائی سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ لاشوں کے اس ڈھیر میں جگہ جگہ مال غنیمت بھی بکھرا ہوا ہے۔ امیر یوسف بن تاشفین نے اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد کو بلایا اور سارا مال غنیمت اس کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ معتمد کے ساتھیوں نے میدان جنگ سے سارا مال جمع کیا اور اپنے خیموں میں لے گئے۔ اس موقع پر امیر یوسف بن تاشفین بادشاہ معتمد کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا۔ یہ کامیابی ایک بہت بڑی اور تاریخی فتح تھی۔ اپنے سے کئی گنا زیادہ بڑی فوج کو شکست دینا اس کے لیے قدرت کا تحفہ تھا جو اس نے اللہ کریم کی رحمت اور اپنی جنگی حکمت عملی سے حاصل کیا تھا۔ اس کو ایک عظیم الشان فتح ملی تھی جس سے اس نے عیسائی فوج کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔ عیسائی بادشاہ الفانسو کو اپنی طاقت کا جو گھمنڈ تھا وہ ٹوٹ کر میدان جنگ میں بکھرا پڑا تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین تو عیسائیوں کی بچ جانے والی ساری قوت کو کچلنے کے لیے ان کا دور دور تک پیچھا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک اس کے جوان بیٹے کے انتقال کی خبر آ گئی۔ جس کی وجہ سے اسے مزید آگے بڑھنے کا ارادہ ختم کرنا پڑا۔ لیکن اس نے اپنے تین ہزار سپاہی اور سالار بادشاہ معتمد کے پاس چھوڑے اور خود اپنے جوان بیٹے کی تدفین کے لیے اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔

الفانسو اپنی جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔اس کو اپنا وہ خواب یاد آ رہا تھا جو اس نے امیر یوسف بن تاشفین کی اندلس میں آمد سے پہلے دیکھا تھا۔خواب میں الفانسو نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے ہاتھی پر سوار ہے جس کے دونوں طرف بڑے بڑے نقارے بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھی چلتے ہوئے اپنی سونڈ نقاروں پر مارتا ہے جس سے نہایت خوفناک آواز اٹھتی ہے۔ یہ خواب دیکھ کر الفانسو گھبرا کر اٹھ گیا اور اس نے اپنے عیسائی راہبوں سے اس کی تعبیر پوچھی مگر کوئی بھی اس کو تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ پھر اس نے ایک درباری کو ''طلیطلہ'' کے ایک مسلمان عالمِ دین کے پاس بھیجا کہ وہ خواب کی تعبیر بتا سکتے ہیں۔الفانسو نے اپنے درباری کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ اس مسلمان عالم دین کو یہ نہ بتائے کہ یہ خواب میں نے دیکھا ہے۔اس نے طلیطلہ کے عالم دین کے پاس جا کر کہا کہ میں نے یہ خوفناک خواب دیکھا ہے۔ براہِ مہربانی اس کی تعبیر بتا دیں۔

طلیطلہ کے عالم دین نے اس شخص کو غور سے دیکھا اور مسکرا کر کہا: ''یہ خواب تمہارا نہیں لگتا یہ خواب ضرور کسی بادشاہ نے دیکھا ہے۔لیکن جس نے بھی یہ خواب دیکھا ہے اس کو بتا دو کہ بہت جلد اس کو اصحابِ فیل کی طرح نہایت ذلت اور رسوائی ملے گی۔ وہ کسی مسلمان بادشاہ کو ختم کرنے کا دعویٰ کرے گا کیونکہ اس کے پاس بھاری فوج ہوگی مگر اس کا انجام اصحاب فیل کی طرح ہی ہوگا۔'' درباری یہ سن کر واپس لوٹ آیا۔

الفانسو نے اس خواب کی تعبیر سنی تو خوب ہنسا۔اس نے عالم دین کا خوب مذاق اڑایا تھا مگر اب وہی خواب اس کو یاد آیا تو اس کی تعبیر بھی یاد آ گئی تھی۔لیکن اب وہ تعبیر حقیقت کے

روپ میں اس کے سامنے تھی۔ وہ اس وقت کو یاد کر کے تڑپ رہا تھا جب اس نے مسلمانوں کو خود سے کمزور سمجھا تھا۔ بلکہ وہ تو اپنے نام کے ساتھ الفانسو حامی دین مسیح کے الفاظ لکھنا پسند کرتا تھا۔ مگر اب وہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہو چکا تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین کے جانے کی دیر تھی کہ اس کے بعد اندلس میں اقتدار کی لڑائی کا دوبارہ آغاز ہو گیا۔ بیرونی دشمن سے جان چھوٹنے کے بعد نااہل حکمرانوں نے اپنی ساری توجہ ایسے لوگوں پر دینی شروع کر دی جو اندلس میں شرعی حکومت کے حامی تھے۔ اسلام کا نعرہ لگانے والوں پر سختی شروع کر دی گئی۔ حکومت کے جاسوس اپنی سرگرمیوں کو تیزی سے جاری رکھے ہوئے تھے۔ غیر شرعی ٹیکس نافذ کیے گئے جنہیں نہ دینے والوں کی جائیدادیں ضبط کی جا رہی تھیں۔ حکمرانوں نے اپنی سلطنتوں میں ایسے مبلغ جمع کر لیے تھے جو ان کے اشارے پر علمائے حق کے خلاف فتوے دیتے تھے۔ اس برے دور میں چند لوگ امید کی روشنی دیکھ رہے تھے۔ حکمرانوں کا ظلم سہنے کے ساتھ ساتھ ان کا جوش اور جذبہ اپنے عروج پر تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں زلاقہ میں شکست کھانے کے بعد عیسائیوں کی نیندیں اڑ چکی تھیں۔ وہ اس بات پر متفق تھے کہ اب اگر مسلمان آگے بڑھے تو وہ اندلس کے آخری کونے تک کو فتح کر لیں گے۔ اس حوالے سے کوئی بھی مسلمان لشکر کا مقابلہ کرنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس طوفان کا مقابلہ کرنے سے ان کا اپنا نام و نشان مٹ جانے کا خطرہ تھا۔ مگر امیر یوسف بن تاشفین کے بیٹے کی اچانک وفات کے بعد امیر یوسف کا واپس چلا جانا ان کے لیے خوشی کا باعث تھا۔ جس سے ان کے حوصلے ایک مرتبہ پھر بلند ہو چکے تھے۔

عیسائی بادشاہ الفانسو صحت یابی کے بعد اشبیلیہ' بطلیوس اور جنوب مغربی حصے کی دوسری سلطنتوں پر حملہ کرنے کی بجائے جنوب مشرقی حصے پر اپنی طاقت جمع کرنے لگا اور خوب جوش و خروش سے ایک بار پھر مسلمانوں سے ٹکر لینے کی تیاری شروع کر دی۔ عیسائیوں نے ''حصن اللّیط'' کو اپنی سازشوں کا مرکز بنا لیا تھا۔ جہاں پر ابھی تک بادشاہ الفانسو کے سپہ سالار الوار فائنز کا قبضہ تھا۔ حصن اللّیط کا قلعہ لورقہ اور مرسیہ کے درمیان ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ اس قلعہ کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ اس قدر مضبوط اور اونچا تھا کہ اس کے مٹھی بھر سپاہی کسی بھی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس کا رقبہ اس قدر وسیع تھا کہ تیرہ چودہ ہزار سپاہی یہاں پر آسانی سے رہ سکتے تھے۔ عیسائی بادشاہ الفانسو اور اس کے ساتھی بادشاہوں نے اپنی فوج کو نئے سرے سے تیار کیا اور اس کے بہترین دستے کو اس قلعے میں بھیج دیا۔ حصن اللیط کے سپاہی زلاقہ میں ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لیے اردگرد کے علاقوں میں جاتے اور خوب لوٹ مار کرنے کے ساتھ قتل و غارت کا طوفان برپا کر دیتے تھے۔ لورقہ' المریہ' مرسیہ اور شقورہ کے علاقے ان عیسائی سپاہیوں کے ظلم کا شدید شکار ہو رہے تھے۔ ان عیسائیوں نے صرف چند ہفتوں میں قلعہ کے آس پاس کی تمام مسلمان آبادیوں کو اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ بلنسیہ کے مسلمان جو کافی عرصہ سے قسطلہ کے سپاہیوں کا ظلم برداشت کر رہے تھے' ان کو اب ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ قسطلہ کا مشہور نائٹ قنبیطور جو کبھی مسلمانوں سے رقم لے کر عیسائیوں کے خلاف اور کبھی عیسائیوں سے رقم لے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے میں کافی شہرت رکھتا تھا۔ وہ اب بلنسیہ کو شکار کر چکا تھا۔ زلاقہ میں شکست کے بعد جب قسطلہ کی فوج بلنسیہ سے نکلی

تو وہاں کے رہنے والے یحییٰ القادر سے نجات حاصل کرنے کا سوچنے لگے۔ یحییٰ نے عیسائی بادشاہ الفانسو کا ساتھ چھوڑ کر قنبیطور کو اپنا سرپرست مان لیا تھا اور قنبیطور نے تجربہ کار ڈاکوؤں اور لیٹروں کے ساتھ مل کر قسطلہ کی فوج کی جگہ لے لی تھی۔ وہ یحییٰ سے چھ ہزار اشرفی روزانہ لیتا تھا اور اس کی فوج کو بلنسیہ میں لوٹ مار اور قتل و غارت کی مکمل آزادی تھی۔ اب المریہ مرسیہ اور دوسری چھوٹی ریاستوں کے لوگ نااہل مسلمان حکمرانوں کے پاس پہنچے مگر ان میں زیادہ ایسے تھے جو جنگ کی بجائے الفانسو بادشاہ سے دوستی کرنے کے حق میں تھے۔

ابھی صورتحال مزید بگڑتی کہ اچانک اشبیلیہ کا بادشاہ معتمد اپنی فوج لے کر آ گیا۔ اندلس کے جنوب مشرقی علاقے کے تباہ شدہ لوگوں کو محسوس ہوا کہ جیسے اللہ کریم نے ان کی فریاد سن لی ہے مگر معتمد نے قرطبہ کی سرحد پار کر کے حصن اللّیط جانے کی بجائے لورقہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ ان کا اصل ارادہ کیا تھا یہ کسی کو علم نہیں تھا۔ بادشاہ معتمد کئی بار مرسیہ اور لورقہ کو اپنی ملکیت کہہ چکا تھا۔ اس کے ذہن میں تھا کہ اپنے حکمرانوں سے مایوس اور دشمنوں کے حملوں سے بیزار لوگ اس کو اپنا ہمدرد مان کر اس کی راہ میں اپنی پلکیں بچھائیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔ لورقہ جاتے ہوئے حصن اللّیط کے کچھ دستوں نے اس کی فوج پر حملہ کر دیا اور معتمد کو شکست دے دی۔ معتمد اپنی جان اور سپاہیوں کو بچا کر مرسیہ کی طرف آ گیا۔ معتمد کو شکست دے کر حصن اللّیط کے عیسائیوں کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور انہوں نے غرناطہ اور قرطبہ کی سرحدوں پر خوب لوٹ مچا دی۔ اس افسوس ناک صورت حال کے باعث اندلس میں رہنے والوں کی نگاہیں ایک مرتبہ پھر افریقہ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ امیر یوسف بن تاشفین کی دوبارہ آمد کی دعائیں مانگنے

لگے۔ جب امیر یوسف بن تاشفین کو ان حالات کا علم ہوا تو اس کو اپنے علاقے کے اندرونی مسائل نے اندلس کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ مگر اندلس کے مسلمانوں کا صبر اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ ان پر عیسائیوں کے مظالم اپنی انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ عیسائی اندلس میں مسلمانوں پر اپنے ظلم کو مزید بڑھاتے' جنوب مشرقی اندلس کی ریاستوں کے معزز لوگوں کا ایک وفد مراکش آ گیا اور انہوں نے امیر یوسف بن تاشفین کو اندلس کے مسلمانوں کے بگڑتے حالات بتائے اور مدد کے لیے فریاد کی۔ ان لوگوں کی آہ وزاری سن کر امیر یوسف بن تاشفین نے ان کو تسلی دی اور وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد سمندر پار کر کے ان کی مدد کرنے آئے گا۔

لورقہ میں عیسائی سپاہیوں سے ہارنے کے بعد معتمد کے ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ وہ خود بھی امیر یوسف بن تاشفین کے پاس پہنچ گیا۔ امیر یوسف نے معتمد کا شاندار استقبال کیا۔ معتمد نے ساری بات انہیں بتائی تو امیر یوسف نے اس سے اندلس آنے کا وعدہ کر لیا اور بہت جلد اندلس کے مسلمانوں کے چہرے یہ خوش خبری سن کر کِھل اُٹھے کہ امیر یوسف بن تاشفین ایک بار پھر اندلس کے مسلمانوں کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔

پھر جلد ہی وہ دن آ پہنچا کہ جب امیر یوسف اپنی فوج کے ساتھ اندلس پہنچ گئے۔ امیر یوسف بن تاشفین کی آمد کا سن کر عیسائی سپاہی قلعہ میں بند ہو گئے۔ امیر یوسف بن تاشفین نے وہاں ان کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران اس کو یہی فکر تھی کہ وہ بہت جلد قلعے کو فتح کر لے مگر اپنے مددگار بادشاہوں کی لاپروائی دیکھ کر اسے دلی دکھ ہوتا تھا۔ اندلس کے عوام اس بات کو

خُوب جانتے تھے کہ ان کے بادشاہ تو خوب عیش کر رہے ہیں مگر افریقہ سے ان کی مدد کرنے والا مہمان کتنا ایماندار، پرہیز گار اور عبادت گذار ہے۔ انہوں نے امیر یوسف بن تاشفین سے درخواست کی کہ وہ اندلس میں رُک جائے اور وہ اس کو اپنا بادشاہ چُن لیں گے۔ کیونکہ اسی میں ہسپانوی مسلمانوں کی سلامتی اور بہتری ہے۔ امیر یوسف بن تاشفین نے اندلس کے مسلمانوں کی بات سنی تو اس کا دل عجیب مشکل میں پڑ گیا کہ کیا مسلمانوں کی سلامتی کے لیے اس کا ہونا ضروری ہے؟ امیر یوسف بن تاشفین اسی سوچ میں ڈوبا تھا کہ اس کو اطلاع ملی کر غرناطہ کا قاضی ابوجعفر آیا ہے۔ ابوجعفر امیر یوسف کے خیمے میں داخل ہوا تو وہ مصافحہ کرتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کے ہاتھ پر بوسہ دینے کے لیے جھکا تو اس نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا: ''آپ مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کریں کہ میں خود کو عام انسانوں سے مختلف سمجھنے لگوں۔''

ابوجعفر اس جواب کو سن کر بہت حیران ہوا اور اس نے اندلس کے مسلمانوں کی بے بسی اور عیسائی بادشاہ الفانسو کے ظلم کی انتہا بیان کی تو امیر یوسف بن تاشفین کو شدید دکھ ہوا۔ ابوجعفر نے کہا: ''یا امیر! ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہماری قوم کی آخری اُمید آپ ہیں۔ ہمیں تباہی اور بربادی نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے جو زمین ہماری جنت تھی وہی ہمارے لیے تنگ کردی گئی ہے۔ بلنسیہ اور طلیطلہ میں ہمارا جھنڈا لہراتا تھا لیکن عیسائی فوج المریہ، مرسیہ، قرطبہ، اشبیلیہ، بطلیوس، غرناطہ اور دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے بے چین ہے۔ ان کے پاس بھاری اسلحہ اور کئی ہزار سپاہی ہیں۔ ہم اندلس کی سینکڑوں بے بس بیٹیوں

اور بیٹوں کی فریاد لے کر حاضر ہوئے ہیں، جن کو عیسائی فوج نے قید کر لیا یا شہید کر دیا ہے۔ ان بیٹیوں کو بازاروں میں بیچا جا رہا ہے۔ آپ کی آمد سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اندلس کی فضا میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں گی۔ آپ کو ہماری مدد کے لیے میدان میں آنا ہو گا کیونکہ اندلس کا ہر مسلمان آپ کی راہ دیکھ رہا ہے۔''

ابو جعفر نے بات ختم کی تو وفد کے دوسرے علماء نے ابو جعفر کی بات کی پر زور تائید کی۔ لیکن امیر یوسف بن تاشفین تمام باتیں سن کر سر جھکا کر بیٹھا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا: ''آپ لوگ اس بات پر مطمئن رہیں کہ میں خاموش تماشائی بن کر اندلس کے مسلمانوں پر کیے جانے والے ظلم کو نہیں دیکھوں گا۔ میں اس علاقے کی عیسائیوں کے ہاتھوں تباہی و بربادی کسی صورت برداشت نہیں کروں گا۔''

امیر یوسف بن تاشفین کا بڑا بیٹا اچانک شدید بیمار ہو گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ بیماری شدید ہو رہی تھی۔ جس وجہ سے امیر یوسف بن تاشفین کو فکر ہو گئی۔ اگلے دن تک بیماری میں کمی کی بجائے تیزی آ چکی تھی۔ پھر دوپہر کے وقت شدید بخار کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ امیر یوسف بن تاشفین شدید پریشانی کی حالت میں اپنے بیٹے کے سرہانے بیٹھا قرآنی آیات پڑھ رہا تھا۔ تمام طبیب مریض کو ہوش میں لانے کی کوشش میں تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین کا دل بیٹے کی بیماری اور دماغ اندلس کے مظلوم مسلمانوں کی حالت سے شدید پریشان تھا۔

اتنی دیر میں سیر بن ابو بکر اندر داخل ہوا اور اس نے نہایت فکر سے کہا ''یا امیر! اگر آپ

حکم دیں تو ہم آج روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیتے ہیں۔ مغرب کے وقت سے طوفان کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں۔ آپ کے بیٹے کی بیماری بھی ایسی حالت میں ہے کہ اس کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔'' امیر یوسف بن تاشفین نے پرسکون انداز میں کہا: ''ہرگز نہیں، تم لوگ روانہ ہونے کے لیے تیاری کرو۔ میں بھی چند لمحوں میں بندرگاہ پہنچ جاؤں گا۔'' سیر بن ابوبکر اپنے امیر کا جواب سن کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اتنی دیر میں امیر یوسف کے بیٹے نے آنکھیں کھولیں اور اپنے والد کو دیکھ کر کہا: ''ابا جان! آپ ابھی تک یہیں ہیں؟ آپ ابھی تک روانہ کیوں نہیں ہوئے؟ آپ میری وجہ سے اپنا ارادہ ملتوی نہ کریں۔ میں بہت جلد تندرست ہو کر آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لیے اندلس آ جاؤں گا۔ آپ اندلس کے مظلوم لوگوں کی مدد کے لیے فوراً تشریف لے جائیں۔ میری صحت کے لیے دعا کریں۔ میں بہت جلد آپ کے ساتھ آ ملوں گا۔''

امیر یوسف بن تاشفین نے بیٹے کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ''بیٹا! میں نے اندلس جانے کا ارادہ ملتوی نہیں کیا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ضرور وہاں جاؤں گا۔ اب تمہاری صحت کیسی ہے؟''۔ امیر یوسف کے بیٹے نے والد کی بات سنی تو چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا: ''ابا جان! میں بہت جلد تندرست ہو جاؤں گا۔ جہاد میں شرکت کی خواہش مجھے بستر پر سکون نہیں دے گی۔ میں جلد از جلد جہاد میں شریک ہونا چاہوں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے شدید بخار کی حالت میں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا جس سے پورا کمرہ گونج اٹھا۔

امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے بیٹے کا جذبہ جہاد دیکھا تو اللہ کریم کا شکر ادا کیا جس

نے اس کو فرماں بردار اور دینِ اسلام کا سچا پیروکار بیٹا عطا کیا تھا۔ابھی وہ بارگاہ رب العزت میں شکرانے کے الفاظ ادا کر رہا تھا کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور دروازہ ایک زوردار دھماکے سے کُھل گیا۔امیر یوسف بن تاشفین نے باہر جھانکا تو فضا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ایک ساتھی نے کہا"یا امیر!طوفان کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔شاید اللہ کریم کو یہی منظور ہو کہ آپ سفر نہ کریں۔"

امیر یوسف بن تاشفین نے یہ سنا تو تلوار پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا:"نہیں بلکہ قدرت اس حوالے سے ہمارا امتحان لے رہی ہے۔تم دعا کرو کہ ہم اس امتحان میں کامیاب ہوں۔" امیر یوسف کا جواب سن کر اس کا ساتھی خاموش ہو گیا اور اپنے امیر کے جذبہ ایمان کو داد بھری نظروں سے دیکھنے لگا جو قدرت کے امتحان میں ہمیشہ کامیاب رہا تھا اور اب بھی وہ کامیابی کا طلب گار تھا۔

باہر اندھیرا مزید گہرا ہو رہا تھا اور طوفانی ہوا بھی اپنا جوش دکھا رہی تھی۔اتنی دیر میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اجازت لے کر کہا:"یا امیر! مجھے امیر البحر سیر بن ابوبکر نے بھیجا ہے۔شدید طوفان سے وہ پریشان ہیں۔انہوں نے آپ سے اجازت مانگی ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو جہازوں سے سارا سامان اور گھوڑے اُتار لیے جائیں تا کہ طوفان سے نقصان کا خطرہ نہ رہے۔" امیر یوسف بن تاشفین نے سپاہی کی بات سنی اور کہا:"ان کو جا کر کہو کہ وہ تیار رہیں۔سامان اور گھوڑے جہازوں سے نہ اتاریں۔میں خود ان کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

آنے والے سپاہی نے حکم سنا اور جس تیزی سے وہ بھاگتا ہوا آیا تھا اسی طرح بھاگتا ہوا

سمندر کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد یوسف بن تاشفین نے اپنے بیمار بیٹے کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا ''بیٹا! میں روانہ ہو رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مشکلیں دور فرمائے۔ آمین'' یہ کہہ کر اس نے بیٹے کی گرم پیشانی پر بوسہ دیا اور کمرے سے باہر نکلنے لگا تو اس کے بیٹے نے آنکھیں کھولیں اور اپنے والد کا دامن پکڑتے ہوئے بولا: ''ابا جان! فی امان اللہ، اللہ کریم آپ کو فتح دے اور آپ مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائیں۔ آمین۔'' اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر امیر یوسف نے فی امان اللہ کہا اور نہایت تیزی سے کمرے سے باہر آ گیا اور بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

بندرگاہ میں جہاز پانی پر بکھرے تنکوں کی طرح لہروں پر رقص کر رہے تھے۔ سمندر کی تیز لہریں ان کو اوپر اُچھال رہی تھیں۔ جہازوں کے ملاح بادبان گرانے میں مصروف تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین کو دیکھ کر چند فوجی، عالمِ دین اور معزز شخصیات اس کے گرد جمع ہو گئیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنے امیر کو سلام عرض کیا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے ہاتھ اُٹھا کر سب کو سلام کا جواب دیا اور لہروں پر اچھلتے ہوئے جہاز دیکھنے لگا۔ ایک عالم دین نے آگے بڑھ کر عرض کی ''یا امیر! اگر آپ طوفان میں کمی کا انتظار کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ بلکہ اس طرح کرنے سے ہمارے جہازوں کا نقصان بھی نہیں ہو گا۔''

امیر یوسف بن تاشفین نے سمندر کی جانب مزید قدم بڑھاتے ہوئے کہا: ''اگر اللہ کریم نے اندلس کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے ہمیں چُن لیا ہے تو یہ طوفان ہمارا راستہ نہیں روکے گا۔ میرا خیال تھا کہ روانگی سے پہلے میں تمام جہازوں کو روانہ کر کے آخری

جہاز میں خود سفر کروں مگر اب میرا جہاز سب سے آگے ہوگا۔ اگر اللہ کریم کا حکم ہوا تو طوفان ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔ آپ سب لوگ اندلس روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔" ابھی امیر یوسف بن تاشفین خاموش ہوا تھا کہ ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ پانی کے چھینٹے اس کے لباس کو بھگو گئے۔ اچانک ساحل سے تھوڑی دور پانی کی سطح پر ایک بڑی دیوار سی قریب آتی محسوس ہوئی۔ سیر بن ابوبکر نے جب یہ دیکھا تو سمندر کی طرف اشارہ کر کے چیخا: "یا امیر! آپ اور دوسرے تمام ساتھی فوراً پیچھے ہٹ جائیں۔ یہ بہت خوفناک لہر ہے۔"

امیر یوسف بن تاشفین کے آس پاس کھڑے تمام لوگ دوڑ کر چٹانوں کی طرف بھاگے۔ لیکن یوسف بن تاشفین نہایت سکون سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ لہر کسی بلا کی طرح اس کی طرف آ رہی تھی۔ سیر بن ابوبکر نے آگے بڑھ کر امیر یوسف کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹانے کی کوشش کی مگر امیر یوسف کے قدموں میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوئی اور وہ مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ تمام لوگ حیران' پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگے اور اُن کے چہرے خوف سے پیلے پڑ گئے تھے۔ لہر اس کے بہت قریب پہنچ گئی اور چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر آگے بڑھ گئی۔ امیر یوسف بن تاشفین اپنی جگہ پر ابھی تک کھڑا رہا تھا۔ پانی اس کے سینے تک پہنچ چکا تھا۔ سب لوگ اپنے امیر کو پانی میں ڈوبتا ہوا سمجھ رہے تھے' کئی لوگ تو باقاعدہ رونے لگے تھے مگر یوسف بن تاشفین اپنے عزم اور جذبے سے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے چچازاد بھائی امیر البحر سیر بن ابوبکر کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا: "سیر! میں اللہ کریم کی بارگاہ میں درخواست کرتا ہوں کہ ہم نیک مقصد کے لیے جا رہے ہیں۔ اگر ہمارا مقصد اور

سفر پسند نہیں تو یہ لہریں ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیں اور اگر ہمارا مقصد نیک ہے تو ہم اس طوفان سے خوفزدہ ہو کر کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ چاہے طوفان ہمیں ڈبو کیوں نہ دے۔ ہم اللہ کریم کی رحمت کا سہارا لے کر آگے بڑھیں گے۔''

طوفان کی تیز لہریں جو بدمست ہاتھی کی طرح امیر یوسف بن تاشفین کو اپنی آغوش میں لے چکی تھیں، اب چند لمحوں بعد وہی لہریں اپنا جوش ختم کر کے اس کے پاؤں چھو رہی تھیں۔ لمحہ بہ لمحہ فضا میں سکون طاری ہو رہا تھا۔ سب لوگ جو اچانک طوفان کی آمد سے پریشان تھے اور اب اسی طرح اچانک اس کے لوٹ جانے پر حیران تھے۔ ان کے رونگٹے کھڑے تھے۔ امیر البحر سیر بن ابوبکر نے اپنے امیر یوسف بن تاشفین کا جذبہ جہاد اور عزم و ایمان دیکھا تو نعرہ تکبیر بلند کر کے مسکرا دیا اور ہاتھ بلند کر کے اپنے سپاہیوں سے کہا: ''مجاہدو! روانہ ہونے کا وقت ہو گیا ہے۔ لنگر اُٹھا لو اور بادبان کھول دو۔ ہماری منزل جزیرۃ الخضراء ہماری منتظر ہے۔''

لشکر میں موجود ایک عالم دین آگے بڑھا اور امیر یوسف بن تاشفین کے پاس جا کر کہا ''یا امیر! آپ کو فتح کی پیشگی مبارک ہو۔ یہ لہریں آپ کا استقبال کرنے کے لیے بلند ہوئی تھیں۔ انہوں نے آپ کی قدم بوسی کر کے آپ کو کامیابی کی خوشخبری دے دی ہے۔'' یہ سن کر امیر یوسف بن تاشفین نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر مالکِ دو جہاں کا شکر ادا کیا۔

مرابطین کی بارہ ہزار فوج اور گھوڑے ساحل پر پہنچ چکے تھے۔ شہر کے گورنر نے امیر یوسف بن تاشفین کو اپنے محل میں ٹھہرنے کی پیشکش کی مگر اس نے کھلے میدان میں اپنے

سپاہیوں کے ساتھ ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان حکمرانوں کے خصوصی نمائندے اور علماء امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ جب کبھی ان کو موقع ملتا تو اپنے حکمرانوں کے خلاف شکایت کرنے لگ جاتے۔ مگر یوسف انہیں کہتا: ''میں تمہارے حکمرانوں کے جھگڑے ختم کروانے نہیں آیا بلکہ اگر ہو سکے تو مجھے جنگی مشورے دو۔ میں انہیں تسلی سے سنوں گا۔''

''تمہارے حکمرانوں کی نیک نیتی اور بد نیتی کا اندازہ بہت جلد میدان جنگ میں ہو جائے گا۔ میدان جنگ میں کھوٹے اور کھرے سکے کا پتہ چل جائے گا۔'' اگر کوئی تحفہ لے کر حاضر ہوتا تو یوسف بن تاشفین شکریے کے ساتھ واپس کر دیتا اور کہتا: ''میں یہاں تمہاری خوشنودی حاصل کرنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کے لیے آیا ہوں۔ جو لوگ اپنے دین اور زمین سے مخلص ہیں وہ مجھے اپنا دوست پائیں گے ورنہ میرے ہاتھوں ان کا بچنا ناممکن ہوگا۔''

امیر یوسف بن تاشفین کو حق و انصاف کا پیکر دیکھ کر اپنے امیروں کے ہاتھوں ستائے ہوئے لوگ مختلف شہروں سے جزیرۃ الخضراء آگئے۔ جہاں امیر یوسف بن تاشفین پانچوں وقت اپنے لشکر کو نماز پڑھاتا تھا۔ عوام امیر کی امامت میں نماز پڑھنا اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ نماز کے بعد عوام امیر یوسف بن تاشفین کے گرد جمع ہو جاتے اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی تفصیلات بتاتے۔ امیر یوسف نہایت سکون سے سب کی فریاد سنتا اور متعلقہ

لوگوں کو فوری حکم نامہ بھیج دیتا تھا جس پر ہر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتا نظر آتا تھا۔ سب اسے ''اندلس کا محسن'' کہتے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین نے فرمان جاری کر کے اندلس کے تمام عیاش اور بدکردار بادشاہوں سے اقتدار چھین لیا اور المریہ' قرطبہ اور طریف پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اشبیلیہ کی باری آگئی۔ یہ وہی شہر تھا جس کے حکمران معتمد نے امیر یوسف بن تاشفین کا الفانسو کے خلاف ساتھ دیا تھا اور تمام سپاہیوں کو کھانا پیش کیا تھا۔ اب وہی امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف ہو گیا تھا۔ اس نے عیسائی بادشاہ الفانسو سے مدد مانگ لی اور امیر یوسف بن تاشفین سے جنگ لڑی۔ مگر امیر یوسف بن تاشفین نے الفانسو اور معتمد کے مشترکہ لشکر کو عبرت ناک شکست دے کر اشبیلیہ پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح امیر یوسف بن تاشفین نے باری باری اندلس کے تمام علاقوں سمیت پورے ملک پر قبضہ کرلیا اور وہاں اسلامی تعلیمات کے مطابق قوانین نافذ کردیے تاکہ کوئی بھی ظالم امیر کسی غریب مظلوم پر ظلم نہ کر سکے۔

اندلس پر امیر یوسف بن تاشفین کی حکمرانی سے اندلس میں ایک بار پھر خوشحالی اور امن وسکون لوٹ آیا تھا۔ زندگی کے تمام شعبے ترقی کی راہ پر چل پڑے تھے۔ عدل وانصاف نے ظلم اور تشدد کو ختم کردیا تھا۔ عدل وانصاف کے تمام فیصلے قرآن وسنت کے فرمان کے مطابق ہونے لگے جس سے پورے اندلس میں امیر یوسف بن تاشفین کا سکہ رائج ہو گیا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے فوج کے شعبے کے علاوہ باقی تمام کام علماء کے سپرد کردیے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکمران کے کردار اور عمل کا عکس رعایا پر بھی پڑتا ہے۔ اس لیے علماء کی حکمرانی سے

اندلس پر قرآن وسنت اور شریعت کا راج نافذ ہو گیا تھا۔عوام اسلامی فضا سے مکمل مطمئن ہو گئے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین کی سلطنت اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ شمالی افریقہ میں تیونس سے لے کر بحراوقیانوس تک اسی کا سکہ چلتا تھا۔ ہر جمعہ کو ملک کی کم از کم تین لاکھ مساجد میں امیر یوسف بن تاشفین کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ ہر ایک کی زبان پر امیر یوسف بن تاشفین کی سلامتی کے لیے دعا تھی۔ ہر ایک ہاتھ اسی کے لیے دعا کرنے کو اٹھتا تھا۔ مائیں اپنے بچوں کی بجائے امیر کی سلامتی کی دعائیں مانگتی تھیں۔اندلس کے تیرہ بادشاہوں نے امیر یوسف بن تاشفین کو اپنا شہنشاہ مان لیا تھا۔امیر یوسف بن تاشفین کے دور میں عوام کو جتنا سکون' امن اور روزگار ملا تھا' اتنا کبھی انہیں نہیں ملا تھا۔سب لوگ ایک دوسرے کو نہایت محبت اور عزت سے ملتے تھے۔کھانا اتنا کم قیمت کہ جیسے مفت ہو۔ ہر کوئی پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا تھا۔ سبزی اور میوے چند کوڑیوں میں اتنے مل جاتے تھے کہ کھاتے کھاتے دل بھر جاتا تھا مگر وہ ختم نہیں ہوتے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین کے حکم سے سیر بن ابی بکر نے جامع مسجد قرطبہ میں جمعہ کی نماز کے بعد اعلان کیا کہ سعد بن عبدالمنعم کو شہر کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ یہ اعلان سن کر قرطبہ کے شہریوں نے خوشی سے خوب نعرے لگائے اور امیر یوسف بن تاشفین کے فیصلے کو خوب سراہا۔ اندلس کے تمام شہر اسلامی تعلیمات کا شاہکار بن چکے تھے۔امیر یوسف بن تاشفین خود بھی

نمازی اور متقی تھا۔اس کے دور میں رعایا بھی نمازی اور متقی رہی۔عدل وانصاف کا ایسا نظام نافذ تھا کہ چوری، ڈکیتی کی واردات نہیں ہوتی تھی۔

امیر یوسف بن تاشفین نے اسلام کی سر بلندی کے لیے ایک صوبے سے اپنی کامیابیوں کا آغاز کیا تھا جو اپنی حکمت عملی اور اسلامی نقطہ نظر سے سلطان صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، طارق بن زیاد جیسے عظیم سپہ سالار اور حکمرانوں میں شمار ہونے لگا۔امیر یوسف بن تاشفین نے ایک سو سال کی عمر پائی اور ساری زندگی اسلام اور شریعت کے قانون کے نفاذ میں لگا رہا۔ بلاشبہ امیر یوسف بن تاشفین نے اندلس کے مظلوم لوگوں کو نہ صرف انصاف دلایا بلکہ بدکردار اور بدمعاش لوگوں سے نجات بھی دلائی۔

✪ ✪ ✪ ✪ ✪

امیر تیمور

(ذہانت، شجاعت اور سخاوت کا پیکر)

شیخ شمس الدین اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور اُستاد تھے۔ جن کا مدرسہ پورے علاقے میں سب سے زیادہ احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخ شمس الدین اپنے شاگردوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور انہیں عربی شعراء کا کلام زبانی یاد کرواتے تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی نیا شاگرد اُن کے مدرسے میں داخل ہوتا تو اُس کو سب سے پہلے ''سورہ شمس'' سے قرآن مجید شروع کرواتے تھے۔ یہ قرآن مجید میں اکیانوے نمبر کی سورہ ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اُن کا اپنا نام ''شمس'' تھا۔ شیخ شمس الدین کے مدرسے میں ایک ایسا بچہ لایا گیا جو شکل وصورت ہی سے بہت ہونہار اور عقلمند لگ رہا تھا۔ بچے کی ظاہری صورت اس کی ذہانت کو ظاہر کر رہی تھی۔ شیخ شمس الدین نے اپنی عادت کے مطابق بچے کو سورہ شمس یاد کرنے کا حکم دیا۔ جسے اُس نے بہت کم وقت میں یاد کر کے اُنہیں سُنا دی۔ شیخ شمس الدین

بچے کی ذہانت کو ایک نظر میں پہچان تو چکے تھے مگر اب اس کا ثبوت پا کر بے حد خوش ہو گئے۔ اُنہوں نے بچے کے والد کو مدرسے میں آنے کا پیغام بھیجا۔ جب بچے کے والد اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا ''ترغائی! میں نے اپنی زندگی میں کوئی بچہ اتنا ذہین اور باصلاحیت نہیں دیکھا، جتنا تمہارا بیٹا ہے۔ اس سے قبل کسی بچے نے مجھے پہلے دن سبق یاد کر کے نہیں سنایا۔ مگر تمہارے بیٹے نے مجھے آج پہلے ہی دن سورہ شمس نا صرف پڑھ کر بلکہ زبانی یاد کر کے بھی سنادی ہے۔ میں نے صرف ایک بار نہیں بلکہ کئی بار اس بچے سے یہ سورہ سُنی ہے اور ہر بار بچے نے کسی رکاوٹ یا پریشانی کے بغیر مجھے سورہ شمس سُنا دی ہے۔ میں ابھی تمہارے سامنے اُس سے دوبارہ سنتا ہوں''۔ شیخ شمس الدین نے اپنے نئے شاگرد کو اپنے پاس بلالیا اور اُس کے والد کے سامنے سورہ شمس سنانے کا حکم دیا۔ بچے نے پُر اعتماد ہو کر سورہ شمس زبانی سنا دی۔ جس کو سُن کر نا صرف اُستاد محترم بلکہ اُس کے والد بھی محبت اور لاڈ کے جذبے سے مسکرا دیئے۔ بچے کے والد نے خوشی سے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور دعا کی: ''اے مالکِ دو جہاں! میرے بیٹے کی حفاظت فرما اور اسے ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھ۔ آمین''۔ امیر ترغائی نے پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سکّہ نکال کر شیخ شمس الدین کے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا: ''حضرت! یہ آپ کا ہدیہ ہے۔ آج آپ نے میرے بیٹے کو قرآن مجید کی پہلی سورہ حفظ کروائی ہے''۔ اس بچے کا نام تیمور تھا جو بڑا ہو کر فاتحینِ عالم کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔

شیخ شمس الدین اپنے اس ہونہار شاگرد کی عادت، ذہانت اور شوق کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ایک روز مدرسے کے ایک اُستاد نے تمام شاگردوں سے پوچھا کہ بیٹھنے کے لئے سب سے بہترین طریقہ کیا ہے؟ تمام شاگردوں نے اپنی سوچ اور ذہانت کے مطابق جواب دیا مگر تیمور نے بغیر کسی گھبراہٹ کے جواب دیا ''انسان کے بیٹھنے کا سب سے بہتر طریقہ دو زانو ہو کر بیٹھنا ہے۔ یہ طریقہ سب سے آسان بھی ہے''۔ شیخ شمس الدین بھی ان بچوں کے پاس بیٹھے تھے اور تمام بچوں کے جواب خاموشی سے سن رہے تھے مگر جب تیمور نے جواب دیا تو آپ فوراً بولے: ''تیمور! دوزانو ہو کر بیٹھنا کیسے بہتر ہے؟'' تیمور نے شیخ شمس الدین کی طرف دیکھا اور ادب سے جواب دیا: ''اُستاد محترم! جب ہم نماز کی حالت میں بیٹھتے ہیں تو اُس میں دوزانو ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب سے بہترین طریقہ دوزانو ہو کر بیٹھنا ہے۔ یہ طریقہ تمام طریقوں سے بہتر اور افضل ترین ہے''۔ شیخ شمس الدین نے بے اختیار تیمور کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا:

احسنت، احسنت، احسنت (شاباش، شاباش، شاباش)

شیخ شمس الدین نے تیمور کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اسے بے شمار دعائیں دیں۔ شیخ شمس الدین تیمور کو ذہانت کے ہر پہلو سے آزمانے کے بعد اُسے قرآن مجید کی سورتیں بھی یاد کروانے لگے اور قرآن مجید کا درس دیتے رہتے تھے۔ تیمور پر اللہ کریم کا خاص کرم تھا کہ اُسے جو سبق پڑھایا جاتا وہ فوراً یاد کر کے اُستاد صاحب کو سُنا دیتا تھا۔ بچپن میں تیمور

کی مصروفیات یہ تھیں کہ وہ صبح ناشتے کے بعد مدرسے چلا جاتا اور دوپہر تک پڑھائی کرتا رہتا۔ تمام شاگرد ظہر کی نماز شیخ شمس الدین کی امامت میں ادا کرتے اور چھٹی کر کے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔

تیمور 8 اپریل 1336ء کو ''کیش'' میں پیدا ہوا۔ اس کے والد امیر ترغائی اپنے علاقے میں معمولی درجے کے جاگیر دار تھے مگر شہر کے سب لوگ انہیں نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ امیر ترغائی بہت سچے اور پکے مسلمان تھے۔ انسانی حقوق اور اسلامی روایات پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ تیمور کی پیدائش سے پہلے امیر ترغائی نے ایک خواب دیکھا کہ ایک روشن چہرے والا انسان جو دیکھنے میں کسی فرشتے سے کم نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اُن کے سامنے آتا ہے اور ایک بہت خوبصورت تلوار پیش کر کے خود غائب ہو جاتا ہے۔ امیر ترغائی اُس تلوار کو پکڑ کر اپنے چاروں طرف گھمانے لگ جاتے ہیں۔ اسی دوران اچانک اُن کی آنکھ کُھل جاتی ہے۔ امیر ترغائی اس خواب کو دیکھنے کے بعد اپنے دل کی بدلتی حالت کو محسوس کرنے لگے۔ اگلے دن نماز ظہر پڑھنے کے لئے امیر ترغائی، شیخ زید الدین کی مسجد میں چلے گئے۔ شیخ زید الدین اپنے وقت کے مشہور عالم دین تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد امیر ترغائی امام صاحب سے ملے اور اُنہیں خواب کی ساری تفصیل بتائی تو انہوں نے پوچھا یہ خواب رات کے کس حصے میں نظر آیا تھا؟ امیر ترغائی نے کہا: ''صبح صادق کے وقت''۔ شیخ زید الدین نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کیں اور خواب کی تعبیر بتائی: ''اللہ کریم تم کو ایک ایسا بیٹا عطا کرے گا جو تلوار کی

طاقت سے دنیا کے وسیع رقبے پر قبضہ کرے گا اور پوری دنیا میں اسلام کا نام روشن کرے گا۔ تمہارا بیٹا پورے عالم اسلام کا نامور فرزند ثابت ہوگا۔اس لیے اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ اس کو لکھنے، پڑھنے خاص طور پر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کروانے اور اس کی پرورش اور تربیت میں کوئی کمی نہ آنے دینا۔ پھر تم دیکھنا کہ تمہارا بیٹا ساری دنیا میں دین اسلام کا بول بالا کر دے گا''۔امیر ترغائی نے شیخ زید الدین کی تمام باتیں غور سے سنیں اور واپس لوٹ آئے۔اگلے سال ان کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے سے نوازا امیر ترغائی اپنے بیٹے کا نام رکھنے کے لئے امام صاحب کے پاس گئے تو اُنہوں نے ''تیمور'' نام رکھا۔جس کا مطلب ''آہن یا فولاد'' یعنی لوہا ہے۔

یہ بچہ اپنے نام کی طرح بہت مضبوط اعصاب اور ذہانت کا مالک تھا۔ایک روز اُس کو کھیلتے دیکھ کر اُس کی ماں نے حیران ہوکر امیر ترغائی سے کہا: ''ہمارا بیٹا ہر کام اُلٹے ہاتھ سے کرتا ہے۔مگر جب اُنہوں نے اپنے بیٹے کو کھیلتے اور کھاتے ہوئے غور سے دیکھا تو اُنہیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں ہاتھوں سے کام کرسکتا ہے۔تیمور اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعے ہر کام برابر مہارت سے کرسکتا تھا''۔تیمور کو بہت کم عمری میں ہی پڑھنے لکھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔یہ عمر اتنی کم تھی کہ اُسے تختی پر موم ملنا تک نہیں آتا تھا۔اُس دور میں یہ رواج عام تھا کہ طالب علم کو تختی کے ساتھ موم کا ایک گولہ دیا جاتا تھا اور تختی پر موم ملنے کا طریقہ بھی سکھایا جاتا تھا کہ کس طرح موم کو پگھلا کر تختی پر اس کی پتلی نازک تہہ چڑھانی چاہیئے۔چونکہ تیمور یہ کام نہیں کرسکتا تھا اس لیے اُس کی والدہ اُس کی تختی پر موم چڑھا کر دیا کرتی تھیں۔نماز ظہر کے بعد مکتب سے

چھٹی ہو جاتی تو تیمور اکیلا اپنے گھر نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے اُس کی والدہ یا گھر کا دوسرا فرد اُسے لینے آجایا کرتے تھے۔ یوں وہ بہت کم عمری میں ہی مکتب آنے لگ گیا۔ جب اُس کے گھر والے اُسے مکتب لانے اور لے جانے میں مشکل محسوس کرنے لگے تو اُنہوں نے اُسی مکتب کے ایک شاگرد جو تیمور کی عمر سے بڑا اور اس کے گھر کے قریب رہتا تھا اُس کے ذمے لگا دیا کہ وہ تیمور کو گھر سے ساتھ لے جایا کرے اور واپس چھوڑ بھی جایا کرے۔ وہ لڑکا بہت سمجھدار اور خیال رکھنے والا تھا۔ وہ تیمور کا ہاتھ پکڑ کر بڑے پیار سے اُسے بازار اور گلیوں سے گزارتا تھا۔ ان بازاروں اور گلیوں میں ان دنوں اونٹوں، گدھوں، گھوڑوں اور دوسری سواریوں کا بہت آنا جانا ہوتا تھا۔ جس وجہ سے پیدل سفر کرنے والوں کو مشکل پیش آتی تھی۔ تیمور اور اُس لڑکے کی آپس میں گہری دوستی ہو گئی تھی۔ اس لیے جب تیمور کو حکومت ملی تو اُس نے اپنے اس دوست کو اہم منصب پر فائز کر دیا۔

تیمور نے بچپن سے جوانی تک اپنے حیران کن مشاغل اور ذہانت سے سب کو حیران کر دیا تھا۔ گھڑ سواری، تیر اندازی اور پیراکی پر اسے مکمل مہارت حاصل تھی۔ اسی مہارت کی بدولت تیمور نے میدان جنگ میں کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ اپنے بچپن کی عادت کی وجہ سے تیمور یہ تمام کام اُلٹے اور سیدھے دونوں ہاتھوں سے کر لیتا تھا۔ جتنی مہارت اُسے سیدھے ہاتھ پر تھی اُتنی ہی مہارت اُسے اُلٹے ہاتھ پر بھی تھی۔ میدان جنگ میں تیمور نے دونوں ہاتھ سے تلوار چلانے کے فن سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور مقابلے میں آنے والوں کو چند لمحوں میں ختم کر دیا۔

شہر سبز سے شمال کی طرف پہاڑوں کے پار مغلیہ حکومت تھی۔ مغل حکومت کا سردار خان اعظم پہاڑوں کے پار شہر سبز میں اقتدار کی جنگ پر غور کر رہا تھا۔ شہر سبز میں جاری اقتدار کی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے شہر سبز پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ خانِ اعظم تغلق تیمور نے اپنی فوج کو پہاڑوں سے اتار کر سمر قند اور شہر سبز کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ تو بزدل سازشی بایزید جلائر بدلتے ہوئے حالات دیکھ کر نہایت قیمتی تحائف لے کر خانِ اعظم تغلق تیمور کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنی جانثاری اور اطاعت کا یقین دلایا بایزید جلائر نے خانِ اعظم کے ساتھ مکمل فرماں برداری کا وعدہ کیا اور علاقے میں بدلتے حالات کا انجام دیکھنے کے لیے آرام سے بیٹھ گیا۔

ادھر حاجی برلاس نے جنگ کے لیے اپنی فوج کو شہر سبز اور قرشی میں اکٹھا کر لیا مگر مغلیہ فوج کے ساتھ جنگ کرنے کا حوصلہ نہ کر سکا' حاجی برلاس نے اپنا سارا مال اور قبیلے کے اہم افراد کو اکٹھا کیا اور ہرات کی جانب فرار ہو گیا۔ حاجی برلاس نے امیر تیمور کو بھی میدان مغلیہ حکومت کے سپرد کر کے بھاگ جانے کا مشورہ دیا امیر تیمور کے پاس افرادی اور دفاعی قوت بہت کم تھی کہ وہ مغلیہ چڑھائی کا مقابلہ کرتا مگر اس کو یہ بھی گوارہ نہیں تھا کہ وہ مخالف فوج کے خوف سے میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ امیر تیمور شہر سبز کو لاوارث چھوڑ کر اپنے چچا کی طرح بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مغلیہ فوج کو سیاست اور مصالحت سے شکست دینے کا سوچا اور اپنے سوچے ہوئے منصوبے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

امیر تیمور کو اس بات کا مکمل یقین تھا کہ مغلیہ فوج سمرقند اور شہر سبز پر مکمل قبضہ کرنے آ رہی ہے تا کہ ان شہروں میں موجود تمام قیمتی چیزیں لوٹ لے۔ آخر امیر تیمور نے اپنے منصوبے پر مزید غور کے بعد عزم کیا کہ وہ اپنے علاقے کو ہر حال میں مغلیہ فوج سے بچائے گا۔ اگر وہ اپنی سیاست اور مصالحت سے اپنے علاقے کو مغلیہ فوج کے غضب سے بچا نہ سکا تو بھی وہ اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مغلوں کے ہزاروں سپاہیوں سے لڑائی کرے گا۔ چونکہ ایسا کرنے سے اس کی شکست یقینی تھی اس لیے سب سے پہلے سیاست اور مصالحت پر عمل کرنے کے لیے اس نے اپنی بیوی الجائی خاتون اور ننھے منے بچے کو کابل بھیج دیا جہاں امیر تیمور کی بیوی کا بھائی رہتا تھا۔ بیوی اور بچے کو بھیج کر امیر تیمور نے اپنے فوجی سرداروں کو بلایا اور انہیں خاموشی سے جنگی تیاری کرنے کا حکم دے دیا تا کہ وقت پڑنے پر اس کی فوج مخالف فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔

جنگی حکمت عملی طے کرنے کے بعد امیر تیمور اپنے پیر و مرشد مولانا زید الدین ابوبکر کی خدمت میں پیش ہوا۔ دونوں نے ایک طویل ملاقات کی جس میں امیر تیمور نے اپنے پیر و مرشد سے اپنے منصوبے کے متعلق مشورہ کیا۔ انہوں نے امیر تیمور کو نیک مقصد میں کامیابی کی دعا دی اور ڈھیروں رقم کے ساتھ نہایت قیمتی سامان بھی دیا جو وقت آنے پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مولانا زید الدین ابوبکر بہت مالدار شخصیت تھے اس لیے انہوں نے اپنے مرید کی مالی امداد کر کے اسے مکمل حمایت کی یقین دہانی بھی کروا دی تھی۔

امیر تیمور ابھی اپنے پیر و مرشد سے ملاقات کر کے واپس لوٹا ہی تھا کہ مغلیہ فوج کا ہر اول دستہ بدمست ہاتھیوں کی طرح سمرقند میں آ گیا۔ اس دستے کا سالار بہت لالچی تھا۔ وہ شہر میں داخل ہوتے ہی سیدھا امیر تیمور کی رہائش گاہ ''قصر سفید'' میں چلا گیا۔ امیر تیمور اس صورت حال سے نبٹنے کے لیے ذہنی اور دلی طور پر مکمل تیار تھا۔ جب اس کو مغلیہ فوج کے سالار کی آمد کا علم ہوا تو وہ استقبال کے لیے قصّر سفید کے مرکزی دروازے پر آ گیا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ' چہرے پر محبت سجاتے ہوئے وہ استقبالیہ کلمات ادا کرتے ہوئے آگے بڑھا اور مغلیہ فوج کے سالار کو اپنا ذاتی مہمان بنانے کی درخواست کی۔ امیر تیمور کا رویہ اور درخواست دیکھ کر مغلیہ سالار بہت حیران ہوا اور تیمور کو حیران کن نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ تاتاری نوجوان مغلیہ فوج سے خوف کھانے کے بجائے انہیں اپنا ذاتی مہمان بنانا چاہتا ہے۔ مغلیہ سالار ابھی امیر تیمور کے رویے کے سحر میں کھویا ہوا تھا کہ امیر تیمور نے آگے بڑھ کر مغلیہ سالار کا ہاتھ تھاما اور بازوؤں کا حصار بنائے ہوئے اسے قصّر سفید کے مہمان خانے میں لے آیا۔ جہاں اس نے اپنے مہمان کے سامنے دنیا بھر کے لذیذ کھانے اور مشروبات رکھ دیے۔ مغلیہ سالار کے ساتھ اس کے قریبی ساتھی بھی تھے۔ وہ بھی امیر تیمور کے پر تکلف انداز سے پریشان تھے۔ جب ان کے سامنے سمرقند کا بہترین مشروب رکھا گیا تو سب لوگ اسے پی کر عَش عَش کر اٹھے۔ کھانے کے دوران مغلیہ سالار اپنے میزبان کے قیمتی مال کو لالچی نظروں سے دیکھنے لگ گیا۔ اس کا دل اسے ملامت کر رہا تھا کہ اس نے امیر تیمور کی دعوت کیوں قبول

کی؟ کیونکہ وہ تو سمرقند اور امیر تیمور کے قصرِ سفید کو لوٹنے کی نیت سے آیا تھا اب اس نے اپنی لالچی سوچ کو دوسرے انداز میں پورا کرنے کا سوچا اور امیر تیمور کے سامنے قیمتی تحائف کی فرمائشوں کا اظہار کر دیا۔

امیر تیمور کھانے کے دوران اپنے مہمان کی لالچ اور نیت کو اچھی طرح بھانپ چکا تھا بلکہ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ مغلیہ سالار قیمتی سامان کے تحائف لینے کا اظہار کرے۔ تاکہ وہ اپنی دولت اور قیمتی سامان لٹا کر اپنے علاقے کو بچا سکے۔ اس لیے وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھا۔ مغلیہ سالار کی فرمائش پوری کرتے ہوئے امیر تیمور اپنے منصوبے پر کامیاب تھا۔ اب اس نے مغلیہ سالار کو ڈھیروں قیمتی تحائف دے کر اپنی سوچ کا اگلا مرحلہ طے کرنے کا ارادہ کیا۔

امیر تیمور نے خانِ اعظم تغلق تیمور سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا اس نے نہایت قیمتی عالی شان درباری لباس پہنا اور اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی قیمتی لباس پہن کر خانِ اعظم کے دربار میں جانے کا حکم دیا۔ امیر تیمور انتہائی قیمتی تحائف اور مال کے ساتھ خانِ اعظم کی خدمت میں پیش ہونے کے لیے شہر سبز سے سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ راستے میں تھا کہ دو مغل سرداروں نے اسے ساتھیوں سمیت روک لیا اور کہا کہ خانِ اعظم کے دربار میں جانے کے لیے انہیں بھاری رشوت دی جائے۔ ورنہ وہ انہیں آگے جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ امیر تیمور نے ساتھ لائے قیمتی سامان اور مال سے کافی مال ان مغلیہ سرداروں کو دے دیا اور خانِ اعظم کے دربار کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں تغلق تیمور دربار سجائے بیٹھا تھا۔

خانِ اعظم تغلق تیمور کا دربار اتنا بڑا اور شان وشوکت سے بھرا ہوا تھا کہ امیر تیمور اور اس کے ساتھی حیران رہ گئے۔ چونکہ اتنی شان وشوکت اور رعب وہ سب پہلی مرتبہ دیکھ رہے تھے مگر امیر تیمور اور اس کے ساتھی اپنے چہروں پر حیرانی کے آثار لائے بغیر آگے بڑھے۔ امیر تیمور بھی ذرا شاہانہ انداز میں اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور خانِ اعظم تغلق کے قریب جا کر آداب بجالایا۔

خانِ اعظم تغلق تیمور کی دہشت سے لوگ تھر تھر کانپتے تھے۔ وہ جس راستے سے گزر جاتا تھا پیچھے تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں چھوڑتا تھا۔ مائیں اپنے بچوں کو خانِ اعظم کے آنے کا کہہ کر ڈراتی تھیں۔ پورے دربار پر خانِ اعظم کا رعب اور دبدبہ چھایا ہوا تھا۔ مگر امیر تیمور جو تاتاری نوجوان تھا وہ نہایت ہمت اور شان سے خانِ اعظم کے پاس چلا گیا۔ امیر تیمور نے خود کو قبیلہ برلاس کا سردار بتایا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے تمام قیمتی تحائف اور مال ودولت خانِ اعظم کی خدمت میں پیش کر دیے۔ پھر امیر تیمور نے خانِ اعظم سے کہا: ''خانِ اعظم! آپ کا اقبال بلند ہو۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ آپ اس نذرانے کو قبول فرمائیں۔ کاش! راستے میں آپ کے فوجی سردار یہاں پہنچنے کے لیے مجھ سے بھاری رشوت نہ لیتے تو میں حضور! آپ کی خدمت میں اور بہت کچھ قیمتی تحائف پیش کرنے سے محروم نہ رہتا۔ مجھے آپ کے فوجی سرداروں کے اس رویئے کا دکھ ہوا ہے۔''

امیر تیمور نے اس موقع پر مغلیہ سرداروں کی یہ شکایت جان بوجھ کر اپنے منصوبے کے

مطابق خاص مقصد کے لیے پیش کی تھی۔ پھر اس شکایت کا نتیجہ بھی اس کی سوچ کے عین مطابق حاصل ہوا۔

خانِ اعظم نے جب امیر تیمور کی شکایت سنی تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے نہایت غصے کا اظہار کرتے ہوئے حکم دیا کہ ان سرداروں کو فوراً دربار میں حاضر کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے تیز ترین قاصدوں کو حکم دیا کہ وہ ان سرداروں سے کہیں کہ وہ امیر تیمور سے لیا ہوا مال لے کر فوراً حاضر ہوں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

جب ان سرداروں کے پاس خانِ اعظم کا حکم پہنچا تو انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں ان کا سارا مال بھی ضبط نہ کر لیا جائے اور خانِ اعظم کوئی سخت سزا بھی نہ دے دے۔ اس لیے ان سرداروں نے آپس میں سر جوڑ لیا اور انہوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ وہ خانِ اعظم کا حکم نہ مانیں گے۔ اس لیے انہوں نے اپنی قریبی ساتھیوں کو ساتھ لیا اور سارا مال اکٹھا کر کے شمالی علاقے کی طرف فرار ہو گئے اور وہاں جا کر خانِ اعظم کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ کیونکہ اب انہیں یقین تھا کہ خانِ اعظم حکم نہ ماننے پر ان پر حملہ کر دے گا۔

جب خانِ اعظم کے بھیجے قاصد ناکام واپس پہنچے اور اس کو ساری صورتحال بتائی تو وہ خود بے حد پریشان ہو گیا۔ کیونکہ وہ تو اس علاقے کو لاوارث سمجھ کر لوٹنے اور قبضہ کرنے آیا تھا مگر اب تو اس کو اپنے علاقے اور حکومت کی فکر پڑ گئی تھی۔ خانِ اعظم اس صورتحال سے سخت غمگین ہو گیا اس کو اپنے سرداروں کی بغاوت کا شدید دکھ پہنچا تھا۔ اس دوران امیر تیمور اپنی ہمت'

بہادری اور معاملہ فہمی کے ذریعے خانِ اعظم کے دل میں گھر کر چکا تھا اور وہ کافی حد تک خانِ اعظم کے قریب ہو چکا تھا۔ اس نے امیر تیمور کو بلوایا اور اپنے سرداروں کی بے وفائی اور بغاوت کا ذکر کیا۔ پھر خانِ اعظم نے اسی سے مشورہ طلب کیا کہ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ امیر تیمور نے اپنا منصوبہ کامیاب ہوتا دیکھ کر چہرے پر فکر کے تاثرات لاتے ہوئے کہا: ''خانِ اعظم! حضور آپ کو فوراً اپنے ملک کی خبر لینی چاہیے۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے آپ کے سامنے صرف باغی ہوں گے۔ دوسری صورت میں آپ کو دو شدید خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک سامنے سے اور دوسرا پیچھے سے۔''

امیر تیمور کی بات خانِ اعظم کے دل کو لگی اور اس نے فوراً واپس جانے کا فیصلہ کر لیا مگر روانگی سے پہلے امیر تیمور کو دس ہزار سواروں کا سردار مقرر کر دیا اور اس کے ساتھ ایک تحریری حکم اور اپنی مہر بھی عنایت کر دی۔ اس طرح امیر تیمور اپنی سوچ کو پورا ہوتا دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اس نے عقل مندی اور سیاست سے نا صرف اپنے علاقے کو تباہی سے بچا لیا تھا بلکہ اس کو علاقے کی سرداری اور سپہ سالاری کی قانونی حیثیت بھی دلا دی تھی۔

ایک دن امیر تیمور دربار سجا کر بیٹھا تھا۔ تمام امیر اور وزیر مؤدب بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک سپاہی کسی نوجوان قیدی کو پکڑے دربار میں حاضر ہوا۔ تمام درباری آنے والے نوجوان قیدی کی طرف دیکھنے لگے۔ چہرے پر اطمینان کا احساس اور حسن دیکھ کر تمام درباری اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دربار میں سے ایک وزیر اپنی جگہ سے اٹھا اور مؤدب ہو کر بولا: ''حضور!

یہ نوجوان ان جنگی قیدیوں میں شامل ہے جنھوں نے ہمارے خلاف جنگ کی تھی اور ہم نے انہیں گرفتار کرلیا تھا۔'' وزیر کی بات سن کر امیر تیمور کے چہرے پر غضب اور غصہ کے آثار نمایاں ہوئے وہ نوجوان قیدی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: ''اے نوجوان! کیا تم کو معلوم نہیں کہ جس نے بھی ہمارے خلاف جنگ کی ہم نے اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ وہ اس دنیا میں سانس نہیں لے سکتا۔'' نوجوان نے چہرے پر سکون لاتے ہوئے نظروں سے کہا'' ہاں! مجھے علم ہے۔'' امیر تیمور نوجوان قیدی کا پرسکون جواب سن کر بولا: ''یہ جانتے ہوئے بھی تم نے ہمارے خلاف جنگ کی؟''

نوجوان نے جواب دیا: ''تم نے ہمارے علاقے پر حملہ کیا ہے حالانکہ ہم نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ مگر پھر بھی تم نے اور تمہارے سپاہیوں نے ہمارے علاقے کو تباہ کردیا۔ ہمارے بے گناہ ہزاروں افراد کو بے دردی سے قتل کروادیا اور خود کو فاتح کہلوانے کے نشے میں کئی لوگوں کو لاوارث اور بچوں کو یتیم کردیا۔ تم کو علم ہوگا کہ ہر جاندار کو موت آنی ہے اس لیے تم بھی جان لو کہ ایک نہ ایک دن تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کے دربار جانا ہے۔ جہاں تم کو اس ظلم کا سارا حساب دینا پڑے گا۔''

نوجوان قیدی کا بے باک جواب سن کر سارے دربار پر خاموشی چھا گئی۔ ان سب کو یقین ہوگیا کہ اب امیر تیمور اپنی جگہ سے اُٹھے گا اور اپنے ہاتھوں سے اس نوجوان کی گردن جسم سے جدا کردے گا یا اس کو پھانسی کے پھندے سے لٹکا دے گا۔ نوجوان قیدی کی بات سن کر

شاہی سپاہی اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے درباری آداب سے آگاہ کریں۔ اس دوران ایک سپاہی کا ہاتھ نوجوان قیدی کے جسم پر لگا تو اس کا فولادی خود نیچے گر گیا۔ یہ دیکھ کر امیر تیمور سمیت تمام درباری حیران ہو گئے کہ یہ نوجوان قیدی مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔ جب نوجوان قیدی نے اپنا راز ظاہر ہوتا دیکھا تو نہایت دلیری سے کہا: ''میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ میرا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جس کی عورتیں وقت پڑنے پر سر پر کفن باندھ لیتی ہیں۔ دین اسلام سے پہلے عورتوں کو کمزور اور کم عقل سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے اس بات کو مکمل ختم کر کے عورت کو بہادر اور عقل مند بنا دیا۔ عورت کو اس کا اصل حق صرف اسلام نے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایک عورت نے وقت کے بادشاہ کو اس کے ظلم کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے؟''

امیر تیمور خاتون قیدی کی گفتگو اور انداز دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اس نے سپاہیوں کو اسے آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے ساتھ اس نے تمام جنگی قیدیوں کو بھی رہا کرنے کا حکم دے کر دین اسلام کے بتائے ہوئے حقوق کا عملی نمونہ پیش کیا۔ امیر تیمور کے سامنے حق کی آواز بلند کرنے والے اس نیک عورت کا نام حمیدہ بانو تھا۔ جس کی گفتگو نے امیر تیمور سمیت پورے دربار کو حیران کر دیا تھا۔

امیر تیمور نے اپنے ملک تاتار کو مغلوں کے شر سے بچا کر سکھ کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ اس علاقے کی سرداری کے دعوے دار حاجی برلاس اور بایزید جلائر ایک ساتھ واپس آ گئے۔ انہوں نے واپس آ کر دھوکے سے امیر تیمور کو اپنے خیمے میں بلا کر قتل کرنے کی سازش کی مگر

امیر تیمور اس سازش کو سمجھ گیا اور ان کی چال سے بالکل محفوظ رہا۔ مگر اس چال سے اس کو اپنے چچا حاجی برلاس اور بایزید جلائر کا اصل چہرہ نظر آچکا تھا حاجی برلاس کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ اس کا بھتیجا شہر سبز پر حکمران ہو۔ اس لیے اس نے اپنا اصلی چہرہ سامنے آجانے سے شہر سبز پر چڑھائی کردی۔ دونوں طرف سے خوب لڑائی ہوئی اور وہ شکست سے دوچار ہوا لیکن حاجی برلاس نے اس ہار کو قبول کرنے کی بجائے امیر تیمور کے خلاف سازشوں کا ایک نیا سلسلہ چھیڑ دیا اس نے علاقے میں ایک مرتبہ پھر افراتفری اور سیاسی سازشوں کا جال بچھا دیا۔ جس سے علاقے میں مکمل بدامنی اور لاقانونیت طاری ہوگئی۔

پہاڑوں کے دوسری طرف مغلیہ فوج ساری صورتحال کو بغور دیکھ رہی تھی خانِ اعظم تغلق تیمور نے شہر سبز کی بدلتی ہوئی حالت دیکھی تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور مغلیہ فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ مغلیہ فوج نے ملک تاتار پہنچ کر بظاہر امیر تیمور کو تو کچھ نہ کہا مگر انہوں نے سمرقند اور اردگرد کے سارے علاقے کو خوب جی بھر کر نقصان پہنچایا۔ انہوں نے شہر سبز کے علاوہ پورے علاقے میں ظلم و ستم کی انتہا کردی۔ امیر تیمور اس صورتحال کو دیکھ کر بے بس تھا کیونکہ یہ سب اپنوں کی غداری اور سازشوں کی وجہ سے تھا جس نے اس کو بہت کمزور کردیا تھا۔ مغلیہ فوج نہایت طاقتور تھی لیکن خود امیر تیمور خانِ اعظم کے حکم نامے کے مطابق علاقے کا سردار تھا۔ وہ خاموشی سے مغلیہ فوج کے کارناموں کو دیکھتا رہا۔

امیر تیمور موجودہ صورتحال پر مزید خاموش رہتا لیکن جب مغلیہ سالار "بیک جک

نے اس کے پیرومرشد مولانا زیدالدین ابوبکر کی انتہائی قریبی رشتہ دار خواتین کو گرفتار کرلیا تو اس کی برداشت کی قوت جواب دے گئی۔ وہ نہایت غصے کی حالت میں مغلیہ سپاہیوں پر حملہ آور ہوا اور تلوار کے زور پر اکثر قیدی خواتین کو مغلیہ فوج سے آزاد کروالیا۔ خان تغلق تیمور نے اس واقعہ کو اپنے خلاف بغاوت تصور کیا اور امیر تیمور کو فوراً قتل کرنے کا حکم جاری کردیا۔

امیر تیمور کو اپنوں نے شدید دکھ دیا تھا اور وہ سب اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اب بیگانے بھی اس کی جان کے دشمن بن چکے تھے۔ اس لیے امیر تیمور نے مغلیہ عطا کردہ نام نہاد حکمرانی کو چھوڑا اور علاقے کو خیر باد کہہ دیا۔ اس موقع پر اس کی بیوی الجائی خاتون اور چند جان نثار ساتھی تھے۔ جنہوں نے امیر تیمور کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کا یقین دلایا تھا۔ سفر کے دوران میں امیر تیمور کی ملاقات اپنی بیوی کے بھائی امیر حسین سے ہوئی۔ جو خود خانِ اعظم کے خوف سے اپنا علاقہ چھوڑ کر فرار ہو رہا تھا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اس کو اپنے لیے غنیمت جانا۔ پھر ان دونوں نے اکٹھے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران میں راستے میں کئی جگہ پر دشمنوں سے ان کی لڑائی بھی ہوئی مگر پھر بھی یہ دونوں اپنی بے سروسامانی کے باوجود ان کا مقابلہ کرنے کے لیے دونوں مل کر آگے بڑھتے رہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے ساتھیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کا قافلہ ایک متحرک لشکر کی شکل اختیار کرگیا۔

سردیوں کا موسم اپنے اختتام پر تھا۔ امیر تیمور اپنے ساتھیوں اور برادرِ نسبتی امیر حسین

کے ساتھ سیستان کے قریب سے گزرا تو انہیں علم ہوا کہ سیستان کے عوام اپنے حکمران کے خلاف بغاوت کر چکے ہیں۔ جس وجہ سے کئی پہاڑی قلعے' حکمران کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ سیستان کے حکمران نے امیر تیمور سے باغیوں کے خلاف مدد مانگی اور وعدہ کیا کہ بغاوت ختم ہونے کے بعد امیر تیمور کے لشکر کو ان کی خدمت کے عوض معقول معاوضہ پیش کیا جائے گا اور امیر تیمور اور امیر حسین نے مل کر فیصلہ کیا کہ وہ دونوں مل کر سیستان کے حکمران کی مدد کریں گے۔ اس طرح وہ دونوں کرائے کے سپہ سالار بن گئے۔ امیر تیمور کی قیادت میں ان کے لشکر نے نہایت دلیری اور حکمتِ عملی سے باغیوں کا مقابلہ کیا اور تمام قلعے ان کے قبضے سے چھڑا لیے۔

امیر حسین نے فتح کیے ہوئے علاقے میں خوب لوٹ مار کی۔ جس کی وجہ سے وہاں کے عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ باغیوں کو اپنی شکست کا بدلہ لینے کا ایک سنہری موقع مل چکا تھا۔ انہوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انہوں نے حاکم سیستان سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ تاتاری فوج ان کے ملک پر مکمل قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے ہمیں آپس کے تمام اختلافات بھلا کر تاتاری فوج کو اپنے علاقے سے بھگا دینا چاہیے۔ حاکم سیستان کو باغیوں کی بات میں سچائی محسوس ہوئی۔ اس نے تمام دشمنی اور اختلاف بھلا کر باغیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب اگلے دن جب میدان جنگ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تاتاری فوج کو شدید دھچکا لگا کیونکہ میدان میں ایک طرف امیر تیمور اور امیر حسین اپنے

سپاہیوں کے ساتھ کھڑے تھے تو دوسری طرف حاکم سیستان اور باغیوں کا لشکر موجود تھا۔

جنگ کا اعلان ہوتے ہی دونوں طرف سے نہایت خطرناک حملے شروع ہو گئے۔ اس خوفناک لڑائی میں تاتاری فوج کو شکست نظر آنے لگی۔ کیونکہ تاتاری فوج اپنے مخالفین کی نسبت تعداد اور اسلحہ میں کم تھی۔ لیکن امیر تیمور لفظ ''شکست'' سے ناآشنا تھا۔ لڑائی میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب امیر تیمور دشمنوں کے نرغے میں آ گیا اور اس کے ساتھ صرف بارہ سپاہی رہ گئے تھے جبکہ اس کا ایک ہاتھ بھی تیر لگنے کی وجہ سے مفلوج ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس زخم کا کوئی سدِ باب کرتا ایک تیر اس کے پاؤں میں اُتر گیا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا اور نہایت پھرتی سے تیر کو کھینچ کر باہر نکال لیا۔ چونکہ زخمی شیر زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور وہ دشمن پر عذاب کی طرح نازل ہوتا ہے۔ اسی طرح تیمور اور امیر حسین نے مخالف فوج پر ایک زوردار حملہ کر دیا' ان کا مختصر لشکر نہایت دلیری اور بے جگری سے لڑا کہ سیستانی فوج کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

اس لڑائی میں امیر تیمور نے ہمت' جرأت اور بہادری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ تاریخ حیران رہ گئی۔ اس لڑائی میں امیر تیمور کو فتح کے ساتھ ایک ایسا زخم بھی ملا جو تا عمر اس کے ساتھ رہا۔ جو تیر اس کے پاؤں میں لگا تھا اور اس نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا تھا' اس کے زخم نے تیمور کو ساری زندگی اس پاؤں سے لنگڑا کر چلنے پر مجبور کر دیا۔ اس لنگڑے پن کی وجہ سے امیر تیمور

کے مخالفین اسے ''تیمور لنگ'' کہتے تھے اور چند مؤرخین نے تو اس کو ''تیمور لنگ'' ہی کے نام سے یاد کیا ہے۔

ایک روز ایسا بھی آیا کہ جب دونوں ہاتھوں سے مقابلہ کرنے والے انسان پر آزمائش کا وقت آ گیا۔ بظاہر وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا مگر قسمت اُس سے روٹھ چکی تھی۔ جس کا رُعب اور جوش دشمنوں کو دہشت میں مبتلا کر دیتا تھا وہی تیمور وقت کی گردش کا شکار ہو چکا تھا۔ اپنے اور بیگانے سب اس کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ پناہ کی تلاش میں تھا۔ آخر وہ رات کے اندھیرے میں ایک گمنام بستی میں داخل ہوا اور جو مکان سب سے پہلے نظر آیا تو اُس کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ ایک بوڑھی عورت نے کھولا اور پہلی نگاہ میں سمجھ گئی کہ دروازے پر آنے والا کوئی مسافر ہے اور رات گزارنے کی فریاد کرے گا۔ بوڑھی عورت نے اُسے گھر میں آنے کی اجازت دے دی اور اُس کو لے کر اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان کے ایک کونے میں بٹھا دیا۔ بوڑھی عورت نے تیمور کو غور سے دیکھا تو سمجھ گئی وہ بھوکا ہے۔ اُس نے پوچھا بیٹا! میرا مکان بہت چھوٹا ہے مگر پھر بھی میں نے اپنی ضرورت کے مطابق سامان رکھا ہوا ہے۔ تم یہاں پر بیٹھے رہو اور مجھے بتاؤ کہ کیا تم کھانا کھاؤ گے؟'' تیمور کا بھوک سے بُرا حال ہو رہا تھا مگر اُس نے بوڑھی عورت کی بات سُن کر کوئی جواب نہ دیا۔ بوڑھی عورت نے تیمور کی حالت دیکھی تو فوراً سمجھ گئی کہ وہ بہت بھوکا ہے۔ تیمور نظریں جھکائے ایک طرف بیٹھا تھا۔ بوڑھی عورت نے چولہے کے نیچے لکڑیاں رکھیں اور آگ جلانے لگی۔ اس دوران بھی وہ مسافر

کو بار بار غور سے دیکھ رہی تھی مگر تیمور جان بُوجھ کر خود کو کپڑے میں چُھپا رہا تھا۔ بوڑھی عورت نے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی اور سالن گرم کر کے تیمور کے پاس آ گئی۔ تیمور کا بھوک کی شدت سے بُرا حال تھا۔ اُس نے گرم روٹی کا لقمہ توڑ کر گرم گرم سالن لگا کر منہ میں ڈال لیا۔ لُقمہ اتنا گرم تھا کہ تیمور کا منہ جل گیا۔ اب یہ صورت حال ہوگئی تھی کہ تیمور منہ میں رکھے گرم لقمے کو نہ تو اُگل سکتا تھا اور نہ ہی نِگل سکتا تھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے، عجیب شکل بنائے بوڑھی عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ بوڑھی عورت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی: ''بیٹا! صبر سے کام لو اور ٹھنڈی کر کے کھاؤ۔ امیر تیمور کی طرح جلد بازی مت کرو''۔ تیمور بوڑھی عورت کی بات سُن کر حیران ہوگیا۔ اُس نے بوڑھی عورت کو پریشان نظروں سے دیکھا تو وہ اُس کی حالت دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ تیمور نے بوڑھی عورت کی بات سن کر دل ہی دل میں سوچا کہ وہ واقعی جلد بازی سے کام لے رہا ہے اور اس وقت جو صورت حال بدل گئی ہے وہ اسی جلد بازی کی وجہ سے ہے۔ اس جلد بازی کا مظاہرہ وہ کئی بار کر چکا تھا مگر اس کے نقصان کا اندازہ اُس کو آج ہوگیا تھا۔ تیمور نے سوچا کہ وہ جو جلد بازی کر چکا ہے اُس کا پوری دنیا کو پتہ ہے مگر وہ اپنی اس خامی سے بے خبر کیوں رہا؟'' تیمور دل ہی دل میں بات سوچ رہا تھا کہ بوڑھی عورت نے اُس کی حالت دیکھ کر کہا: ''بیٹا! اب تیمور کو چاہیئے کہ وہ اپنے اردگرد اچھے دوستوں کی پہچان کرے اور سب سے زیادہ بھروسے والے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے اُن میں اضافہ کرے اور مناسب وقت آنے پر اپنے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ جس طرح وہ پہلے کرتا آیا ہے''۔

تیمور نے بوڑھی عورت کی نصیحت کو غور سے سنا اور ذہن نشین کر لیا۔ مگر وہ بوڑھی عورت پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگر اُس نے اپنی شناخت کروادی تو وہ بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ اس لیے وہ اس حالت میں کسی بڑی مشکل کا سامنا نہیں کرسکتا تھا۔ بوڑھی عورت کے ساتھ والے گھر میں ایک لالچی شخص رہتا تھا۔ جب اسے رات کے پچھلے پہر بوڑھی عورت کے مکان میں کھانا پکنے اور اجنبی مسافر کی موجودگی کا پتا چلا تو وہ اصل صورتِ حال جاننے کے لیے بوڑھی عورت کے گھر آ گیا۔ وہ شخص بہت مکار اور لالچی تھا۔ اُس نے بوڑھی عورت کے مکان میں داخل ہوتے ہی اجنبی مسافر کو پہچان لیا۔ وہ امیر تیمور کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ پھر امیر تیمور کی ایک ٹانگ میں لنگڑا پن بھی تھا۔ امیر تیمور کا مضبوط اور فربہ جسم اس بات کی گواہی تھا کہ وہ تیمور ہی ہے۔ لالچی پڑوسی اجنبی مسافر کو غور سے دیکھ کر یہ ظاہر کیے بغیر کہ وہ اسے پہچان چکا ہے واپس چلا گیا۔ مگر اگلے دن صبح کا سورج اُبھرنے سے پہلے جب تیمور بوڑھی عورت کے گھر سے جانے لگا تو اُس کے دشمنوں نے اُس کو گھیر لیا۔ تیمور جس مشکل سے بچنے کے لیے یہاں رُکا تھا اب وہی اُس کے سامنے تھی۔ بوڑھی عورت کے پڑوسی نے انعام کے لالچ میں امیر تیمور کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ دشمنوں نے اُسے گرفتار کیا اور ایک ایسی کوٹھڑی میں قید کر دیا جہاں اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہاں پہ انسانی آنکھ کسی بھی چیز کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اندھیری کوٹھڑی میں تیمور کو اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھا گیا۔ دشمن اس

کی اس خوبی سے واقف تھے کہ اگر اُس کے دونوں ہاتھوں میں کوئی بھی ہتھیار آ گیا تو وہ اپنے مقابلے میں آنے والے ہر شخص کو مار دے گا۔ یہ وقت امیر تیمور کی زندگی کا سب سے بُرا وقت تھا۔ اُس نے کبھی ایسی زندگی کا سوچا بھی نہیں تھا۔ جس میں اُسے قید کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امیر تیمور کوٹھڑی کے ننگے کچے فرش پر سر کو جھکائے بیٹھا تھا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ اس جگہ پر گندگی اتنی زیادہ تھی کہ مچھروں اور مکھیوں کی فوج وہاں پر موجود تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکھیوں اور مچھروں نے امیر تیمور کو کاٹنا اور ستانا شروع کر دیا۔ کونے کھدروں میں چھپے کھٹمل بھی باہر نکل آئے اور وہ بھی امیر تیمور پر حملہ آور ہو گئے۔ امیر تیمور جو جنگ کے میدان میں بڑے سے بڑے طاقتور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا تھا اب اس ننھی اور حقیر سی مخلوق کے حملے کا شکار ہو گیا تھا۔ یہ کھٹمل اُس کو اس بُری طرح کاٹ رہے تھے کہ تیمور کا جسم سوج گیا تھا۔ امیر تیمور اس آفت سے بُری طرح بوکھلا چکا تھا۔ اُس رات اُس نے دل ہی دل میں کئی بڑے فیصلے کر لیے۔ بوڑھی عورت کی نصیحت کو سوچ کر اُس نے دشمن کا مقابلہ کرنے کا سوچا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنی بے پناہ طاقت کے ذریعے کوٹھڑی کا دروازہ توڑ کر دشمن کا تنہا مقابلہ کر لیتا مگر اُسے مہربان بوڑھی عورت کی نصیحت اچھی طرح یاد تھی۔ وہ صبر سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔ اس قید میں اُس کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اُس کی زندگی کو ایک نیا جوش دے دیا۔ بظاہر ہمت ہار جانے والا تیمور

اب ایک نئے احساس کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنے والا انسان بن گیا۔ دشمنوں نے قید کے دوران اُس پر کئی طرح کے ظلم کیے مگر وہ مسکرا کر ہر ظلم سہتا رہا۔ اُسے دشمن کی ان حرکتوں پر بہت غصہ بھی آتا تھا مگر وہ بڑے سکون اور اطمینان سے مسکرا کر سامنا کرتا رہا۔ جس وجہ سے دشمنوں کو بہت مایوسی ہوئی۔ اُنہوں نے ہر طرح کا ظلم کر کے دیکھ لیا مگر جب امیر تیمور نے اُنہیں کوئی جواب نہ دیا تو اُنہوں نے اُسے کُھلی فضا میں لا کر بٹھا دیا۔ جہاں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی میں اُسے قدرت کی ان نعمتوں کا احساس پہلی مرتبہ ہوا۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں جو اللہ کریم نے ہر جاندار کو کسی فرق کے بغیر عطاء کی ہوئی ہیں۔ جب قید کو تین دن گزر گئے تو امیر تیمور نے دیوار پر ایک ایسی چیونٹی کو دیکھا جو اپنے وزن سے کئی گنا زیادہ وزن اُٹھا کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ہر بار جب وہ دیوار پر چڑھتی تو نیچے گر جاتی۔ نیچے گرنے کے بعد بھی چیونٹی نے اپنی کوشش کو چھوڑا نہیں۔ بلکہ وہ ہر بار پھر سے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگ جاتی۔ تیمور نہایت دلچسپی سے چیونٹی کو دیوار پر چڑھتے اور پھر نیچے گرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ چیونٹی کی ہمت اور پختہ ارادے سے بہت متاثر ہوا۔ عزم و ہمت کا ایسا واقعہ اُس نے ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔ چیونٹی اپنے منہ میں وزن اُٹھا کر کئی مرتبہ دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر چکی تھی مگر وہ ذرا اوپر پہنچتی تو نیچے گر جاتی۔ آخر کئی بار کوشش کرنے پر چیونٹی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئی۔ امیر تیمور جو کافی دیر سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا اُس نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے

کہا: ''اے تیمور! کیا تم اس ننھی سی چیونٹی سے بھی گئے گزرے ہو؟ جو ہمت ہار کر بیٹھے ہو۔ تم سے اچھی تو یہ ننھی چیونٹی ہے۔ جو کئی بار کوشش کرنے کے بعد اپنی منزل تک پہنچ گئی۔ کسی بھی مشکل سے چھپ جانا اُس کا حل نہیں ہے بلکہ ہمت اور عزم سے اُس کا سامنا کرنا ہی اصل مردانگی ہے۔''

صبح اُس نے قید کرنے والوں کا ایک نئے حوصلے اور عزم سے سامنا کیا اور اُنہیں سمجھایا کہ یہ سب سیاست کا کھیل ہے۔ یہاں سیاست کے ذریعے بہت کچھ ہو جاتا ہے۔ تم لوگ مجھے دشمنوں کے سپرد کر کے اپنے لیے بہت بھاری نقصان کرو گے۔ جو لوگ آج کل میرے دشمن ہیں وہ آنے والے وقت میں میرے دوست بھی بن سکتے ہیں۔ جن کا سب سے زیادہ نقصان تم لوگوں کو ہوگا۔ جو لوگ اس وقت مصیبت میں میرا ساتھ دیں گے وہی آنے والے وقت میں میرے ساتھی ہوں گے۔ میں اُن کو اپنے خاص بندوں میں رکھوں گا''۔ امیر تیمور کی باتیں اُن لوگوں کی سمجھ میں آ گئیں اور انہوں نے امیر تیمور کا ساتھ دینے کا سوچ لیا۔ ویسے بھی امیر تیمور نے اپنی مدد آپ کے ذریعے آگے بڑھنے کا سوچ رکھا تھا۔ اس لیے اللہ کریم نے اُس کی مدد بھی فرمائی۔ امیر تیمور نے بڑی سمجھداری اور چھان بین کے بعد اپنے وفاداروں کو اکٹھا کیا۔ اس کے لیے اُسے بہت وقت لگا مگر وہ بوڑھی عورت کی نصیحت اور چیونٹی کے واقعہ سے صبر و تحمل کا درس حاصل کر چکا تھا۔ جب امیر تیمور نے اپنے خاص بندوں پر مشتمل ایک لشکر بنا لیا اور نئے جذبے اور حکمت عملی سے مخالف فوج پر حملہ کر دیا۔ مخالف فوج امیر تیمور کے حملے سے اچانک گھبرا گئی اور وہ تیموری لشکر کا مقابلہ نہ کر سکی۔ جس وجہ سے اُسے شکست ہو گئی۔ امیر

تیمورئ جنگی حکمتِ عملی کے ذریعے اپنے دشمنوں کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور روس کے شہر ماسکو پہنچ گیا۔ ماسکو کو فتح کرنے کے بعد وہ ایران پر حملہ آور ہوا۔ ایران پر حملہ آور ہونے کے بعد امیر تیمور کو ایک ایسے دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا جو خود بہت دلیر اور پکے ارادے والا تھا۔ ایران کے شہر شیراز کے حاکم منصور بن مظفر نے تیموری لشکر کے حملے کا سُنا تو بہت پریشان ہوا۔ وہ دلیر تو تھا مگر امیر تیمور کی طاقت کو خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے اُس نے تیموری لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے کسی محفوظ مقام پر جا کر مناسب وقت کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر جب منصور بن مظفر شہر شیراز کے مرکزی دروازے سے نکل رہا تھا تو ایک بوڑھی عورت نے اُس کا راستہ روک لیا اُس کے سپاہیوں نے غصے سے بوڑھی عورت سے پوچھا کہ کیا وہ نہیں جانتی ہے کہ کس کا راستہ روک رہی ہے؟ بوڑھی عورت نے اپنی لاٹھی کو مضبوطی سے تھام کر بہت اعتماد سے جواب دیا۔ ہاں میں جانتی ہوں کہ یہ کون ہے اور تم لوگ کون ہو؟ یہ شخص ہماری حفاظت کرنے والا بادشاہ ہے۔ جو اپنی رعایا کو اکیلا چھوڑ کر ڈرپوکوں اور بزدلوں کی طرح بھاگ رہا ہے۔ سپاہی تلوار پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے چلایا: ''اے بیوقوف بڑھیا! تم نے منصور بن مظفر کو ڈرپوک اور بزدل کہہ دیا ہے۔ میں ابھی تمہارا سر قلم کرتا ہوں''۔ یہ کہہ کر اُس نے تلوار فضا میں بلند ہی کی تھی منصور بن مظفر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔ بوڑھی عورت نے دوبارہ اُس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''جو رکھوالا اپنے ریوڑ کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ رہا ہو اُس کو ڈرپوک یا بزدل نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ حکمران تو اپنی رعایا کی حفاظت کرتے ہوئے جان لُٹا دیتے ہیں۔ تم کیسے حکمران ہو؟'' بوڑھی عورت کے یہ الفاظ تیروں کی

طرح منصور بن مظفر کے دل اور دماغ پر لگے۔ جس سے وہ شرمندہ ہوگیا۔ اُس نے فوراً اپنے سپاہیوں کو شہر واپس جانے کا حکم دیا اور خود بھی اپنے گھوڑے کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔ اب وہ اپنی فوج کے ساتھ امیر تیمور کے مقابلے کے لیے تیار تھا۔ شیراز کے باہر دونوں فوجیں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں تیموری فوج اور صرف دو ہزار فوج پر مشتمل منصوری فوج کا مقابلہ ہوا تو دونوں طرف سے جاںنثاری ہونے لگی۔ تیمور اپنی فوج کے درمیان کھڑا جنگ کے میدان کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب منصور بن مظفر تیموری فوج پر حملہ آور ہوا۔ اُس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ منصور بن مظفر اپنی حکمت عملی سے امیر تیمور کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اُس وقت امیر تیمور کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب منصور بن مظفر تلوار تان کر تیمور پر حملہ آور ہوگیا۔ تیمور خود بہت سمجھدار انسان تھا اس لیے اُس نے نہایت بہادری سے حملہ روک لیا۔ تیموری اور منصوری فوج کے سپہ سالار اپنی جنگی مہارت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ کہ نامعلوم سمت سے ایک تیر منصور بن مظفر کو آ لگا۔ جس سے وہ نیچے گر کر تڑپنے لگ گیا۔ امیر تیمور کو اپنے دلیر دشمن کی ایسی موت کا بہت دُکھ ہوا۔ وہ ایسے بہادر سپاہی کے ساتھ مزید لڑنا چاہتا تھا۔

ایران کو فتح کرنے کے بعد امیر تیمور نے ترکی پر کامیاب حملے کیے۔ امیر تیمور کب اور کس ملک پر حملہ آور ہو جائے؟ اس بات کا علم صرف اور صرف امیر تیمور کو ہوتا تھا۔ وہ اپنے سپاہیوں کو صرف ساتھ چلنے کا حکم دیتا تھا اور وہ اس کے پیچھے روانہ ہو جاتے تھے۔ امیر تیمور ساری حکمت عملی اپنے دل میں رکھتا تھا اور جو فیصلہ کر لیتا تھا وہ پتھر پر لکیر ہوتا تھا دنیا ادھر کی

ادھر ہو جاتی مگر اس کا فیصلہ نہیں بدلتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا اور اپنے سپاہیوں کو ہندوستان چلنے کا کہا تو وہ سب حیران رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ امیر تیمور بغداد کو فتح کرنے بعد دمشق روانہ ہوگا۔ مگر جب ہندوستان پر حملہ کرنے کا حکم ملا تو انہیں پریشانی لاحق ہوگئی کیونکہ ہندوستان کا موسم بہت گرم تھا اور وہاں کے میدان اور صحرا آگ کی طرح گرم تھے۔ وہاں پر مختلف بیماریوں کی وبائیں پھیل جاتی تھیں جو جسم کو مفلوج کر دیتی تھیں۔

امیر تیمور جب دہلی کے قریب خیمہ زن ہوا تو اس کے ساتھ بے شمار ہندوستانی قیدی تھے جن کو یہاں آتے ہوئے مختلف علاقوں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ وسیع مال غنیمت بھی تھا۔ دہلی پہنچ کر امیر تیمور نے شہر کا محاصرہ نہیں کیا بلکہ ایک کھلے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد تیموری فوج نے دہلی کے نواحی علاقوں کا رخ کرلیا۔ اس حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ دہلی کے عوام کو دہشت زدہ اور سلطان دہلی کو مشتعل کرنا تھا۔ اس کے بعد امیر تیمور نے ایک کامیاب چال چلی اور اپنی لشکر گاہ کے گرد نہایت گہری خندق کھدوائی۔ جس میں وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ کیونکہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ کسی بات پر شدید پریشان اور فکرمند ہے۔

دہلی کے عوام تیموری لشکر کی آمد سے شدید خوفزدہ تھے۔ انہوں نے سلطان دہلی اور محمود شاہ تغلق اور ان کے امراء کو بزدل اور بے حس ہونے کے طعنے دینے شروع کر دیے۔ عوام نے

سلطان دہلی سے کہا کہ وہ بزدل ہے جو ہزاروں میل دور سے تیموری فوج کے آجانے پر بھی بے حس بنا ہوا ہے۔ مگر سلطانِ دہلی تمام باتیں سننے کے باوجود خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

سلطانِ دہلی محمود شاہ تغلق تیموری فوج کی بُری حرکتوں پر سخت غصے میں تو تھا مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرے؟ عوام کے دباؤ اور تیموری فوج کی نقل وحرکت نے آخر سلطان دہلی کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ وہ کھلے میدان میں آ کر تیموری لشکر کا مقابلہ کرے۔ لیکن یہ فیصلہ تغلق خاندان کے لیے بہتر ثابت نہ ہوا کیونکہ امیر تیمور تو یہی چاہتا تھا کہ سلطان دہلی کی فوج کھلے میدان میں آ کر لڑے۔ اس لیے اس کی یہ چال بھی خوب کامیاب رہی۔ جب سلطان دہلی کا لشکر میدان میں اترا تو اس کے سامنے سینکڑوں بدمست ہاتھیوں کی صفیں تھیں جن سے تیموری فوج پہلے ہی خوفزدہ تھی۔ مگر امیر تیمور کو یہ یقین تھا کہ ہندوستانی فوجی ہاتھیوں پر لڑنے کو ترجیح دیتے ہیں اور ان سے ہی ہندوستانی فوج کو شکست دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ حالانکہ تیموری لشکر نے ہاتھیوں کی فوج کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور ان کے حملے اور بدمستی کا بھی کوئی علم نہیں تھا۔ مگر امیر تیمور نے اپنی حکمت عملی کے ذریعے اس سے نبٹنے کا مکمل بندوبست کر رکھا تھا۔

امیر تیمور نے ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگ کے تیر برسانے والے تیر اندازوں کا ایک خصوصی دستہ تیار کر رکھا تھا۔ جو مسلسل کئی گھنٹے آگ کے تیر برسانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ان تیر اندازوں کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے امیر تیمور نے ان کو خاص طور پر ہاتھیوں پر حملہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ جب سلطانِ دہلی کا لشکر اپنے ہاتھیوں کی

آڑ میں تیموری فوج کی جانب بڑھا تو امیر تیمور نے پہلے سے تیار تیر اندازوں کو ہاتھیوں پر آگ والے تیر پھینکنے کا حکم دے دیا۔ حکم ملتے ہی آگ کے سینکڑوں گولے فضا میں تیرتے نظر آنے لگے جو سیدھا ہاتھیوں پر گرتے تھے۔ چند لمحوں میں آگ کے گولوں نے سلطان دہلی کے لشکر کو گھیر لیا۔ ہاتھیوں نے ایسی مصیبت کا سامنا کبھی نہیں کیا تھا اس لیے ان کی مضبوط صفیں چند لمحوں میں ٹوٹ گئیں اور وہ آگ کے تیروں سے بچنے کے لیے اپنے ہی سپاہیوں پر چڑھ دوڑے ان بدمست ہاتھیوں نے سلطان دہلی کے لشکر کو اپنی سونڈ میں جکڑ کر اور پاؤں کے نیچے کچل کر مارنا شروع کر دیا۔

ان بدمست ہاتھیوں سے بچنے کے لیے ہندوستانی فوج دیوانہ وار اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ جس کا جدھر منہ ہوتا وہ اُدھر سرپٹ دوڑنے لگ جاتا تھا۔

امیر تیمور میدان جنگ میں خاموشی سے کھڑا ان بدمست ہاتھیوں کی یلغار اور سپاہیوں کے فرار کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ ابھی اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے سپاہیوں کو بدحواس ہندوستانی سپاہیوں پر یلغار کا حکم دے دیا۔ تیموری لشکر نے حکم ملتے ہی بھرپور حملہ کر دیا۔ سلطان دہلی کی فوج نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر تیموری لشکر کے سامنے وہ ریت کی دیوار بن چکے تھے۔ جس وجہ سے سلطان دہلی محمود شاہ تغلق کو عبرت ناک شکست ہوئی اور دہلی میں تغلق خاندان کی حکومت کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

امیر تیمور جب بھی کوئی بڑی فتح حاصل کرتا تھا تو سمر قند میں فتح کی خوشی میں ایک یادگار تعمیر کراتا تھا۔ ہندوستان میں ایک بہت بڑی کامیابی کے بعد اس نے سمر قند میں ایک عالی شان مسجد بنوائی جس کا نام ''شاہی مسجد'' رکھا گیا۔

ان کامیابیوں کے بعد امیر تیمور چین کی جانب بڑھا مگر ہر جاندار نے ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ امیر تیمور جیسے طاقتور، دولت، سخاوت، ذہانت اور بلاغت والا حکمران مسلمانوں کو بہت کم ملے ہیں۔ امیر تیمور فروری 1405ء کو انتقال کر گیا۔ اس کی میت کو سمرقند لایا گیا اور وہیں پر دفن کیا گیا۔

امیر تیمور جب کبھی کسی سفر یا جنگ کے لیے روانہ ہوتا تو علماء، ادیبوں اور فن کاروں کا ایک بڑا گروہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ امیر تیمور جہاں بھی گیا وہاں اُس نے کئی مساجد تعمیر کروائیں۔ محل اور باغات بنوائے۔ جو آج بھی اُس کے شوق کی یاد دلاتے ہیں۔

✪ ✪ ✪ ✪ ✪

فہرست کتب جن سے استفادہ کیا گیا

تاریخ پنجاب	اقبال صلاح الدین	پاک و ہند کی اسلامی تاریخ	ریاض الاسلام ایم اے رحیم
تاریخِ اقوام عالم	مرتضیٰ احمد خاں	تاریخِ اسلام	سید امیر علی، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
تاریخِ اندلس	سید ریاست علی ندوی	امیر تیمور	ستار طاہر، اختر حسین شیخ، ڈاکٹر ارشد مقبول
تاریخِ سندھ	مولانا سید ابوظفر ندوی	تاریخ کہانیاں	امتیاز علی
تحقیقاتِ چشتی	نور احمد چشتی	چچ نامہ	مرزا قلیچ بیگ
خالدؓ بن ولید	ستار طاہر	خالد بن ولید سے سلطان ٹیپو تک	رئیس محمد اکرم
شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا	سید قاسم محمود	طارق بن زیاد	ستار طاہر، اختر حسین شیخ، ڈاکٹر ارشد مقبول
کتاب الہند	البیرونی	محمد بن قاسم	نسیم حجازی، اختر حسین شیخ، ڈاکٹر ارشد مقبول
یوسف بن تاشفین	نسیم حجازی	میں ہوں تیمور "Marcel Beaven"	مترجم: خلیل الرحمٰن، ڈاکٹر خالد یزدانی
آبِ کوثر	ایس ایم اکرام		

قوم کے معماروں کے لئے لازوال کتابیں

ISBN 978-969-508-855-5
9 789695 088555
Code 1613
Rs. 200/-

رابعہ بک ہاؤس
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، پاکستان